مطبوعات مجلس ۷۷

مجموعہ اصلاحیات مولانا ندوی سلسلہ نمبر ۲

پیامِ انسانیت

پبلک جلسوں کی پانچ تقریریں

جن میں

زندگی کے مسائل پر نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقہ پر کوشش
کرنے کی دعوت دی گئی ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بار دوم

۱۴۱۲ھ — ۱۹۹۱ء

کتابت ________ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ________ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس

صفحات ________ ۸۸

قیمت ________ 16/-

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دار العلوم ندوۃ العلماء)

فہرست عناوین

"پیام انسانیت"

پیش لفظ

اس مجموعہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی وہ پانچ تقریریں شامل ہیں جو انھوں نے جنوری ۱۹۵۴ء میں پانچ شہروں کے پانچ بڑے بڑے جلسوں میں کیں جن میں مسلم و غیر مسلم اصحاب و ہر جماعت اور عقیدے کے لوگ بڑی تعداد میں شریک تھے۔

جو باتیں ان تقریروں میں کہی گئیں وہ عام طور پر پسند کی گئیں، لوگوں نے اپنا اتفاق ظاہر کیا اور شہر میں دیر تک ان کا چرچا ہوتا رہا وہ عام فہم اور روزمرہ کی حقیقتیں تھیں، پھر بھی ایسی سنی گئیں گویا نئی باتیں ہیں، اور نئے انداز سے کہی جارہی ہیں۔

حضرت مولانا ندوی مدظلہ فرماتے ہیں:-

"عالم انسانی کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ اغراض و تعصّبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد اور بے تعلق ہو کر عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے، اور جن کو نظر انداز کر کے ہمارا یہ پورا تمدن اور پوری انسانی سوسائٹی اس وقت سخت خطرہ سے دوچار اور موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہے۔

یہ حقیقتیں اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی تھیں، اور ان کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، یہ حقیقتیں اب بھی زندہ ہیں، لیکن سیاسی تحریکوں، مادی تنظیموں اور قومی خود غرضیوں نے گرد و غبار کا ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہے کہ یہ روشن حقیقتیں

ان کے اوٹ پیراؤ بجھل ہوگئی ہیں، لیکن انسانی ضمیر ابھی مردہ اور انسانی ذہن ابھی مفلوج و معطل نہیں ہوا ہے، اگر پوری بے غرضی پورے یقین اور پورے خلوص کے ساتھ ان حقیقتوں کو عام فہم زبان اور دل نشین انداز میں بیان کیا جائے تو یہ انسانی ضمیر و ذہن اپنا کام کرنے لگتا ہے اور بڑی گرم جوشی سے ان حقیقتوں کا استقبال کرتا ہے، اور بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجمانی اور اس کے درد کا مداوا ہے"۔

ان جلسوں سے اندازہ ہوا کہ بے غرض دعوت اور خدا پرستی اور انسان دوستی کی تحریک اب بھی بہت اثر رکھتی ہے، اور لوگوں میں سچی بات قبول کرنے کی بہت بڑی صلاحیت اور استعداد موجود ہے، اور مذہب میں اب بھی وہ طاقت ہے جو کسی تحریک و پارٹی میں نہیں ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ لوگ مادہ پرستی اور اپنی موجودہ حالت سے غیر مطمئن ہیں، اور اگر ہمدردی اور بے غرضی کے ساتھ اس پر تنقید کی جائے تو اس کے سننے کے لئے تیار ہیں، اور ان کا دل اس کی تصدیق کرتا ہے۔

امید ہے کہ جس طرح یہ تقریریں دلچسپی اور توجہ سے سنی گئیں اسی طرح وہ کتابی شکل میں بھی دلچسپی اور توجہ سے پڑھی جائیں گی۔

تقریروں کا یہ مجموعہ کئی بار شائع ہو چکا ہے، نیا ایڈیشن ہماری مجلس کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد رابع ندوی

سکریٹری مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

۲۵/۱/۹۲ھ

خرابی کی جڑ یہ ہے کہ بُرائی اور پاپ کی خواہش پیدا ہو گئی ہے

۹ر جنوری ۱۹۵۴ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ایک مخلوط اجتماع میں جس میں شہر کے سربرآوردہ حضرات اور غیر مسلم تعلیم یافتہ اصحاب کی خاصی تعداد شریک تھی یہ تقریر کی گئی۔

تاریخ کا مطالعہ

دوستو اور بھائیو! آپ میں اکثر لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا، انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں برس سے آباد ہیں، ان کی سیکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں، اس میں سخت نشیب و فراز ہے اس میں آدمی کہیں اونچا نظر آتا ہے کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، سب کی تاریخ ہے، مگر انسان کی تاریخ نہیں، اس کے مطالعہ سے انسانوں کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیسا ہے اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، مجھے اس کی کہانی سنانی نہیں لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تاریخ میں جو ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے؟

جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اسکو بگاڑ نہیں سکتا

حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں، میں تاریخ کے

مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندہ کر سکتی ہے لیکن ایک فرد سوسائٹی کو بگاڑ نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں بُرے آدمی کا گزر نہیں ہو سکتا وہ گھُٹ گھُٹ کر مر جائے گا جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ گھٹ کر مر جاتی ہے اسی طرح جو سوسائٹی برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی وہ اسے خوش آمدید (WELCOME) کرنے کے لئے تیار نہیں، اس میں بُرائی تڑپنے لگے گی، اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔

ہر زمانے میں اچھے بُرے انسان ہوئے ہیں لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں، اگر کچھ برے لوگ حاوی ہو گئے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری زندگی کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا، وہ جس طرف چاہتے تھے، زندگی کو موڑ دیتے تھے، بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سوسائٹی میں خود خرابی آگئی تھی، اس زمانہ کا ضمیر (CONSCIENCE) گندہ ہو گیا تھا، اس میں برائیوں کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، اس کے اندر اندھیر ظلم اور خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی تھی، وہ خود غرض اور نفس پرست بن گیا تھا، جس دل کو گھن لگ جائے، جو من پاپی ہو جائے آپ اسے جرائم سے کسی طرح روک نہیں سکتے، آپ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر کے بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خود غرض انسان

ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں، جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل وعیال

انسان ہیں، اور سب ہمارے خادم ہیں، کچھ ایسے انسان بھی ہیں جو کروروں انسانوں کو بستا دیکھتے ہیں، لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں، یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس انھیں کے کنبہ کے دس گیارہ یا بائیس پچیس انسان بستے ہیں، ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں، جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں، اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، بعض لوگ دو عینکیں رکھتے ہیں، ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں، دوسری سے تمام دنیا کو دیکھتے ہیں، انھیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہیں، میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

اصلاح اور سُدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سُدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسانوں کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا، یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے، انھوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنا لیا، اس کے نتیجہ میں پاپی اور بڑھا، پہلے لوگ کمزور تھے، پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا، انھوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوتِ حیات (VITALITY) بڑھائی تو ان کے پاپ بھی طاقتور ہو گئے، دل بدلا نہیں، ضمیر بدلا نہیں، ذہن بدلا نہیں، طاقت بڑھ گئی، بے فکری پیدا ہو گئی، فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑوں میں پاپ

ہوتے تھے، اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے، پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے، اب طاقتور اور ہُنرمند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے، جہالت ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے، علم بڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کیئے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا، اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا، انھوں نے علم کو فساد اور تخریب کا ذریعہ بنالیا کھلی بات ہے، کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا، اب اگر کسی میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے، اور ظلم و ستم اس کے خمیر میں پڑا ہوا ہے تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ و فساد کا آلہ دے دے گا، اور اس کو گناہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری قوتیں لوگوں کی تنظیم پر صرف کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہو گیا، جو کام اب تک غیر منظم طریقے پر ہوتے تھے، اب منظم طریقہ پر ہونے لگے، اب سازش اور تنظیم کے ساتھ منظم چوریاں ہونے لگیں، لوگوں نے اخلاقی تربیت، دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں، جیسے بُرے بھلے لوگ تھے، ان کو منظم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی کو نئی طاقت حاصل ہو گئی، میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بداخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت فتنہ و فساد کی جڑ ہے، زبان ایک اور مشترک ہونی چاہئے اسی میں ملک کی ترقی، قوم کی خوشحالی اور انسانیت کی خدمت ہے، لیکن اگر لوگ نہ بدلیں، خیالات نہ بدلیں، دلوں کی خواہشات اور اندر کے رجحانات نہ بدلیں تو زبان کے بدل جانے یا ایک ہی

کے ایک ہوجانے سے کیا خاص فائدہ ہوگا فرض کیجئے کہ اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں، اور ایک ہی زبان اختیار کرلیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہوگا، اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سدّباب ہوگا، میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں، زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقّت ہوگی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہوجائے، مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، ہوس ٹکراتی ہے" ہم چو ما دیگرے نیست" کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے، ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہوجائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی، اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہوجائے تو اس ملک کے رہنے والے شیر وشکر ہوجائیں گے، لیکن دوستو! کلچر کا ایک ہونا مفید نہیں دل کا ایک ہونا مفید ہے، کہنے والے نے غلط نہیں کہا کہ :۔

یک دلی از یک زبانی بہتر است

اگر لوگ ایک دل نہ ہوئے تو ایک زبان یا ایک تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں، جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے انھیں میں کون سی محبت اور اتحاد ہے، کیا وہ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے، کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے، کیا ان میں سے ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں، کیا ایک کلچر، ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔

بعضوں نے کہا کہ لباس ایک ہو، لیکن جب کسی زبردست کو گریباں پکڑنے کی عادت پڑ جائے، اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا، کیا وہ محض اس وجہ سے

اپنے ارادہ سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہوگا، لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہو سکتی

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے نہ زبان اور تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے، اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔

پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں

پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغا بازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہو گئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے، جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے، اور وہ بچے کی طرح اس کے اشاروں پر حرکت کر رہا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان باغی ہو گیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے، اس لئے سب سے ضروری

اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے، اور اس کے من کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں، اس منظر سے ان کا دل جس قدر دکھتا ہے دنیا میں کسی کا نہیں دکھتا، ان کو کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اس کے پیچھے پڑ جائیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے خرابی کی جڑ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلہ لے کر بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ ایک وقتی اور سطحی انتظام ہوگا، وہ ایسی فضا اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک نہ دیکھی جا سکے اور خود اپنے گھر سے غلہ لا کر لوگوں کے پاس ڈال جائیں۔

اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ کھسکتا اور ایک جگہ جمع ہوتا چلا جائے، یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آ جائیں، اور دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے، آپ نے شاید الف لیلہ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے ایک سفر میں ایک مقام پر پہنچا، اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکرمند اور غمگین ہے، سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتلایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آ گئے ہیں، جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کے قریب پہنچ جائے گا، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جا لیں گے، اور جہاز کا بند بند جدا ہو جائے گا، اس وقت ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا،

مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھنچ کھنچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے دیکھتے جہاز غرق ہو گیا، خوش قسمت سندباد ایک بہتے ہوئے تختہ کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا، اور اس کی جان بچی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں، انھیں آپ بھی (MAGNATE) کہتے ہیں، وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کے گھر میں آجاتی ہے، وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چاروناچار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں، اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں، پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو دیکھ نہ سکے، وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، اس کو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے، وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے، وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایثار کے دو واقعے

آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں، یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں، ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں، جو ان فرضی قصوں اور انسانوں

سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، جو آج فلموں میں اور اسکرین پر دکھلائے جاتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا قصہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلے کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آگئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے، انھوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی بھائی نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ، اگر واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا، اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا، لیکن واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دنیا سے چلے گئے لیکن تاریخ پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئے، آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے، یہ واقعہ روشنی کا ایک مینار ہے۔

ایک دفعہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مہمان آئے آپ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا، آپ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا، ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سُلا دیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ بھوکے اٹھ گئے، مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ

ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے، اور وہ خالی ہاتھ منھ تک لے جاتے رہے ہیں۔

انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہو گا

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کا تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا، لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں بلکہ انسان خراب ہے، کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہو گئی، کس کی فطرت (NATURE) میں فرق پڑا، زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے، اس کے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ اُبل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہو گئے، یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم، اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معاشیات (ECONOMICS) کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کر دیتے ہیں، جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا انسانیت کراہتی رہے گی، پیغمبر دلوں پر انجکشن لگاتے ہیں، لوگ باہر کی ٹیپ ٹاپ کرتے ہیں، اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں

درخت کے اندر سرسبزی اور اس کے نشو ونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہو چلی ہے لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں (GASES) پہنچائی جارہی ہیں، پانی چھڑکا جارہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی انھوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا، اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے چلتے پھرتے اسے نگراں مان "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے۔

انسانیت کے صحیح نمائندے

بس جب تک انسان کے قلب وجگر سے محبت کا چشمہ نہ اُبلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض قانون سے دنیا کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت، انسانیت کا جوہر پیدا کرتے ہیں، وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں، جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ (DEMONSTRATION) کرکے یہ ثابت کردیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں، وہ زبانِ حال سے اعلان کرتی ہے کہ وہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست، یا اہل وعیال پرست نہیں، جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی، انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو

وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں، لیکن کسی نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ بتائیں گے کہ انھوں نے بالآخر اپنا انتظام کرلیا، ایسے بے شمار قوم کے سیوک گزرے ہیں، جنھوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے، ان کا یہ حق تھا انھیں مبارک ہو۔

پیغمبروں کی زندگی

لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے، انھوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا، انھوں نے سو فی صدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گزاری اور ایک فی صدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا، وہ اور ان کے صحابی اور ساتھی یہاں سے گزرے دنیا کو نہال کردیا، دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے، جسے انھوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا حالانکہ مدینہ کے سیکڑوں گھروں میں انھیں کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا، آپ فرماتے تھے "نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ" (ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے) اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مرگیا، اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا، وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو،

ہم اس سے ایک پیسہ نہیں لیں گے، لیکن اگر کوئی قرض چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا، کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے، آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے، آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا، آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے، دلوں پر ان کی بادشاہی تھی، لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے، آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا، اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدہ سے دور تھا، اپنے گھر والیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی ہو تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے گھروں کو رخصت کر دیں گے، تم وہاں واپس جاؤ، اور راحت و آرام کی زندگی گزارو اور ہم سے فارغ خطی لے لو، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد، دکھ، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے، یہی اس گھر کا تحفہ ہے اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو، انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرہ کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں

آج دنیا کی ساری ریاستیں و حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے لیکن دانایانِ فرنگ اور اصلاح

وتسکین کا راستہ نہیں یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں، اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروروں انسانوں میں مشترک ہے، واقعات کی دنیا میں آکر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منھ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں کسی بوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہوسکتی، یہاں نفس کی تسکین کا خواہش مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک

میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے بڑے رہنما یہ کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں، سب کو پورا ہونا چاہیے، اور اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہوسکتی، خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا، یہ تو سمندر کا کھاری پانی ہے جس قدر اس سے پیاس بجھایئے گا، پیاس بھڑکے گی، آج ساری دنیا میں حکومتیں، ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کر رہی ہیں کہ انسانوں کی صحیح غلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے، قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے اس سے سکون پیدا ہوگا، امن قائم ہوگا، لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے، آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی کسی سے بجھتی نہیں، خواہشات کا ایک الاؤ جل رہا ہے، اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی چلی جا رہی ہے اور اس کو ہوا دے رہی ہے، آج اس کے شعلے

آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں، اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں آج ۔ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" (اس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) کا منظر نظر آرہا ہے، لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی، یہ الاؤ کس نے روشن کیا، اس پر تیل کس نے چھڑکا، اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے، خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور اس کے لئے تفریح و تسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے، اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں، بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے، لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، جو وہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں، یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں ان کو خوش رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں، آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں، اور کسی شخص میں یہ اخلاقی جرأت نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیّشات پر تنقید کرے، لہو و لعب کے بڑھتے ہوئے ذوق، تماش بینی، موسیقی، رقّاصی اور مصوّری کے حد سے بڑھے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے، آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کرے اور قوم اور اہلِ ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبر خواہشات میں اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں

اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے، انھوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خواہشات کو لگام دی، انھوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے انھوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں، تمہاری تجربہ گاہوں (LABORATORIES) تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انھوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانوں کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیئے، بچوں کو ہتھیار تو دیئے لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کر رہے ہیں اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں، لیکن ؎

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انھوں نے چیزیں ایجاد کرکے نہیں دیں، مگر انھوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انھوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانہ سے ملتا ہے،

آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے یقین سے خالی ہے انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور، حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے، جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہمارا پیغام اور ہماری صدا

ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں، زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں، آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے، دراصل یہ بات نئی نہیں دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قوم میں آئے یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری طور پر یہ بات کہی یہ حقیقت پورا ہو پر کہنے کے لائق ہے، لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا، دنیا اس صدا سے نامانوس ہے، مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں، انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد و غبار آگیا ہے، اگر وہ گرد و غبار جھاڑ دیا جائے، اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرلے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔

آج دنیا پر خود غرضی اور بد اخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے اُسے چادروں سے روکا نہیں جاسکتا

یہ تقریر ۱۵ر جنوری ۱۹۵۴ء کو جون پور کے ٹاؤن ہال میں کی گئی، شہر کا تعلیم یافتہ اور چیدہ مجمع تھا، کثیر تعداد میں غیر مسلم اصحاب اور مختلف سیاسی جماعتوں اور انتظامی اداروں کے لوگ موجود تھے۔

انوکھا جلسہ

دوستو اور بھائیو! زمانہ کی ایک ریت ہے، وہ ایک لکیر سی بن گئی ہے اس سے ہٹ کر کوئی کچھ کرے یا کہے تو تعجب ہوتا ہے، ہم اس زمانہ کے رواج کے خلاف آپ کے شہر میں آئے، اور عام دستور کے خلاف یہ جلسہ کر رہے ہیں، اس کا نہ کوئی صدر ہے نہ کوئی تحریک، نہ کوئی تجویز، تعارفی تقریر بھی ہمارے دستور کے خلاف ہوئی، ہمارے عزیز دوست نے اپنی محبت سے ہمارے متعلق بہت کچھ کہا، ہمارے منھ پر ہماری تعریف کچھ کھلتی نہیں، یہ واقعہ ہے، ساتھ ہی ہمیں ان کی محبت کا اعتراف ہے، ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے، ہمارے ساتھ ہمارے ستر اسّی ساتھی اور ہیں، ہم نے کوئی کمال کی بات نہیں کی، خود ہمارے اس ملک میں اور اس کے باہر لوگوں نے تن من دھن سے انسانیت کی خدمت کی ہے، ہمیں انسانیت کے ان محسنوں کی خدمات کو دیکھ کر شرم آتی ہے، جنھوں نے بے نام و نشان رہ کر بغیر کسی انجمن اور کمیٹی کے انسانیت کی ٹھوس خدمت کی، خدا بھلا کرے یورپ کا کہ اب انجمن اور کمیٹی صدر اور تعارف کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کام کیا جا سکتا ہے، ہم نے کیا کیا، ہم یہاں محض مالک کی توفیق سے آئے اور مالک کی عطا کی ہوئی زبان سے ہم بول رہے ہیں۔

مجھے آپ سے بے تکلف بات کرنی ہے، مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ یہ مائیکروفون ہمارے آپ کے درمیان حائل ہو، اور اس کا احسان لیا جائے، مگر مجبوری ہے، میں

اوپر بیٹھ گیا ہوں، تاکہ اپنے بھائیوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں ورنہ میں اس وقت جو کہوں گا گھر کی سی بے تکلف بات ہوگی آپ اسے گھر کی بے تکلف مجلس ہی سمجھئے۔

آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے

حضرات! مجھے آپ سے جس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے، وہ ہمارا آپ کا مشترک مسئلہ ہے، مسائل بہت ہیں ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ ٹھیک سوچیں تو بہت دیر لگے گی اور بات بہت دور پہنچ جائے گی، یہ زندگی کا بڑا دردناک سانحہ ہے کہ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے اس کی خرابی کی جڑ کیا ہے، اس پر ہاتھ رکھنا ہے۔

آپ میونسپلٹی کے واٹر ورکس (WATER WORKS) کے نظام سے واقف ہیں، اگر یہاں نلوں سے خراب پانی آنے لگے جو معدہ کو خراب کرے، اور اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوں تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے نل میں کپڑا باندھ لے، چھان کر پیئے یا اُبال کر پیئے، لیکن ہوشیاری یہ ہے کہ واٹر ورکس کو صاف اور درست کرنے کی فکر کی جائے، شہر کے منتظم (ADMINISTRATOR) سے درخواست کی جائے کہ وہ اسے درست کرے، ہم اگر کپڑا باندھ کر یا چھان کر پی لیں گے تو بہت سے راستہ چلتے ناواقف پیاسے ہوتے ہیں، منھ لگا دیتے ہیں، ان کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے، آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں کون سا طریقہ درست ہے۔؟

آج انسانیت کا واٹر ورکس خراب ہو گیا ہے، جہاں سے زندگی اُبلتی ہے، وہ دہانہ

خراب ہو گیا ہے، زندگی کے بجلی گھر (POWER HOUSE) میں خرابی آگئی، جہاں سے سارے شہر میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، انسانیت گھلتی پگھلتی جارہی ہے، چور بازاری، رشوت ستانی، دھوکہ بازی کا دور دورہ ہے، آج کا انسان ان سب گندگیوں میں مبتلا ہے، آج کے فکرمند انسان ان نتائج پر جھنجھلا رہے ہیں، لیکن غصہ کس پر اتارا جائے اور اس کا ذمہ دار کس کو سمجھا جائے؟

اصل مجرم کون ہے؟

آپ تو انسان ہیں، جانور بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ ان کا دشمن کون ہے، کتا بھی مارنے والے ہاتھ پر دوڑتا ہے، ڈھیلے سے نہیں الجھتا، گدھے کی بے وقوفی ضرب المثل ہے، اسے ڈھیلا ماریئے تو وہ مارنے والے ہی کے پیچھے غصہ میں دوڑے گا، وہ سمجھتا ہے، خرابی کی جڑ اور مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے، ہم آپ جانوروں سے بھی گئے گزرے، شیشہ کے محل میں رہتے ہیں، چاروں طرف سے ڈھیلے برس رہے ہیں، ایک ہاتھ ہے، جو برسا رہا ہے، ہمیں وہ ہاتھ نظر نہیں آتا، ڈھیلے پر غصہ اتار رہے ہیں، وہ ہاتھ مطمئن ہے کہ نظر سے اوجھل ہے، اور دل کھول کر ڈھیلے برسا رہا ہے، بڑے بڑے لال بجھکڑ ڈھیلوں میں الجھے ہوئے ہیں، انسانیت کے سدھار کے غور و فکر میں عام مفکرین (THINKERS) کا یہی حال ہے، ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ (WAY OF THINKING) ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ

ہمارے سوچنے کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ ہے، ہم پورے غور و فکر اور کافی تجربے کے بعد

بالکل مطمئن (CONVINCE) ہوگئے ہیں کہ پیغمبر جس سسکتی ہوئی انسانیت کے مسائل کو جس انداز سے حل کرتے ہیں، وہی صحیح طریقہ ہے، جب اس طرز پر، اس بنیاد پر کام ہوا، انسانیت کے دل کی پھانسیں چن چن کر نکل گئیں، آنکھوں کی سوئیاں خود بخود باہر ہوئیں، ایسی محبت کا زمانہ آیا کہ سب طرف آرام و اطمینان ہوگیا، قرآن کہتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا راستہ بتلانے والے آئے، ان کی تعلیمات پر زمانہ کے پردے پڑ گئے، کچھ ہمیں علمی غرور بھی ہوگیا، ہم پڑھ لکھ گئے اس لئے ہمیں ہزار دو ہزار برس پہلے کے طریقے کار فرسودہ (OUT OF DATE) معلوم ہوتے ہیں، اور اس طریقہ پر سوچنا ہمارے لئے عار سا بن گیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج سب سے پرانا ہے، نئی روشنی والے پرانے سورج سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے، ہم نے پیغمبروں کا طریقہ اپنایا، ہم نے انسانیت کے سدھار کا مسئلہ ان سے سیکھا۔

خود غرضی اور بداخلاقی کا مانسون

وہ بتلاتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے، اگر کسی چیز کا سلسلہ کوئی بند کرنا چاہے اور اس کے نتائج سے بچنا چاہے تو اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا مادّہ ہی نہ پیدا ہونے پائے، آپ کو ایک عام فہم مثال دوں، گرمیوں میں سمندر میں بخارات (VAPOURS) پیدا ہوتے ہیں، وہ بخارات اٹھتے ہیں، گرمی سے وہ تحلیل ہوتے ہیں، پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں، اور موسلا دھار بارش بن کر برستے ہیں، ہم مانسون (MONSOON) کو چادر یا شامیانہ سے نہیں روک سکتے، آج دنیا پر بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے، یہ زرگری کا مانسون ہے،

یہ خود غرضی کا مانسون ہے نفس پرستی، ہوس اور عیش پرستی کا مانسون ہے، دل کے سمندر سے خود غرضی کے ابخرات (VAPOURS) نفس پرستی کا شوق جب حد سے بڑھ جائے گا عیش پرستی کی گرمی اسے کھلائے گی تو خود غرضی کا مانسون برسے گا، جو چادروں سے روکا نہیں جا سکتا۔

اس کا علاج

دل کے مانسون کو روکنے کے لئے اللہ کا یقین، مرنے کے بعد اپنے اعمال کی جوابدہی کا یقین اور جزا و سزا کا یقین ضروری ہے، ایک ایسا شخص جو ان بنیادوں کو نہیں مانتا اپنے پیدا کرنے والے، روزی دینے والے خالق و رازق کو نہیں پہچانتا، وہ دنیا پر اقتدار حاصل کر کے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے، وہ کمزوروں کا کیوں لحاظ کرے، وہ جانتا ہے کہ کوششوں سے اسے ایک موقع (CHANCE) ملا ہے، وہ کہتا ہے، زندگی کے پورے مزے لے لو، جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اوپر آگئے، وہ کیوں کسی کی بالادستی مانیں، کیوں کسی کے قانون کا احترام کریں، اور آج کا عیش کل پر کیوں چھوڑ دیں، اگر مجھے بھی معلوم ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور لے دے کر یہی زندگی ہے تو پھر اس دنیا کا عیش کس دن کے لئے اٹھا رکھوں، عرب کا ایک نوجوان شاعر بڑا حوصلہ مند (AMBITIONS) اور منہ کو تھا، وہ کہتا ہے، دو قبروں کے ڈھیر برابر ہیں، اچھا وہ رہا جو خوب عیش کے مزے اڑا کر گیا، اور بڑا نامراد وہ ہے، جو تکلیفیں اٹھاتا رہا، جب مرنے کے بعد دونوں کو خاک ہونا ہے اور دونوں کا انجام ایک ہے تو میں کیوں اپنی حسرتوں کا خون

کروں اور کس لئے ایثار کروں جتنا زندگی کا لطف اٹھاؤں (ENJOY) کروں میرا حق ہے۔
دوستو! ایک پرانے شاعر کا جو خدا اور آخرت کا قائل نہ تھا فلسفۂ زندگی ہے آج
ہمارے اس ترقی یافتہ دور کا بھی یہی فلسفۂ زندگی ہے آج کا فلسفہ اور تعلیم بھی یہی ہے کہ
کھاؤ پیو اور مست رہو (EAT DRINK AND BE MARRY) جب زندگی کا یہ نظریہ
بن جائے تو اس سے یہی کردار (CHARACTER) تیار ہوگا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

موجودہ حالات قدرتی اور ہماری ذہنیت تربیت کا نتیجہ ہیں۔

انبیاء کہتے ہیں کہ جس میں یقین نہ ہو اس میں خواہشات کا جو مانسون اٹھے گا وہ ضرور
برسے گا، آج ساری دنیا پر نفسانی خواہشات کے مانسون منڈلا رہے ہیں، دنیا کے لوگ
کیسے عجیب ہیں، سمندر سے انجرات اٹھے، خاموش رہے، ہندوستان کی طرف بڑھے
خاموش رہے، ہمالیہ سے ٹکرائے تو کچھ نہ بولے اب جب ٹکرا کر برس پڑے تو کپڑے بھیگنے کا
گلہ ہے آج ساری دنیا کے لال بجھکڑ، امریکہ، یورپ اور روس سب اسی طرح کی بولی
بولتے ہیں، دل کے بخارات کی پرورش کرتے ہیں، اور جب خواہشات کے مانسون برستے
ہیں تو اس پر غصہ کرتے ہیں، ہوس کے تالابوں کو برابر گراتے رہے ساری عمر تم خواہشات
کی تربیت کرتے رہے، اسی کی تعلیم دیتے رہے، تم نے برابر اسی کا استقبال واحترام کیا جو مال
و دولت میں تم سے بڑھا ہوا تھا، تمہارا (IDEAL) یہ ہے کہ جو جتنا مالدار ہے، اتنا ہی اقبال مند
اور قابل تعظیم ہے، تم برابر دولت کی تعریفیں کرتے رہے، تمہارا معیار شرافت مالداری ہے،

میں کچھ عرصہ ہوا، ایک صاحب سے ملنے گیا، وہ بڑی بے التفاتی اور لاپرواہی سے باتیں کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک صاحب آئے جن کو میں پہچانتا نہ تھا، وہ سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب تک وہ رہے ہاتھ جوڑ کر باتیں کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو کہنے لگے کہ یہ بتیس ۳۲ روپے فیس والے ڈاکٹر صاحب ہیں، شیخ سعدی نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک دعوت میں معمولی کپڑے پہنے ہوئے چلے گئے، کسی نے ان کی بات نہیں پوچھی، دوسری دفعہ وہ اچھا لباس پہن کر گئے تو کھانے پر ان کو بڑے ادب اور تپاک سے بٹھایا گیا، وہ اپنے کپڑوں پر سالن ڈالتے رہے، جب پوچھا گیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ دعوت تو ان کپڑوں کی ہے، انھیں کے طفیل میں کھا رہا ہوں، اس لئے انھیں کی خاطر کر رہا ہوں، میری ہوتی تو میں تو پہلے ہی میلے کپڑوں میں آچکا ہوں۔

آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے، آپ نے بچہ کو کب بتلایا کہ اصل شرافت اخلاق اور کردار ہے، اس نے جب سے ہوش سنبھالا آپ کا یہی رویہ دیکھا کہ جو موٹر پر آیا اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور جو یکہ پر آیا اس سے بے التفاتی برتی گئی، اس نے اگر معیار شرافت اخلاق اور انسانیت کے بجائے مالداری کو سمجھا تو کیا بیجا کیا۔

اللہ کے پیغمبر اس کے برخلاف تقویٰ کو، اخلاق کو معیارِ شرافت بتلاتے ہیں، حضرت عمرؓ سے عرب کے نامی سردار ملنے آئے، ان سے کہا گیا کہ انتظار کریں، اتنے میں غریب حبشی مؤذن حضرت بلالؓ آئے، وہ فوراً اندر بلا لئے گئے، مدینہ کے ایک اور غریب آئے بلا لئے گئے اور یہ اپنا اپنا کام بارگاہ خلافت سے پورا کر کے واپس چلے، جیسے کہی بدی بات تھی عرب کے

سردار بادشاہوں کا سا دماغ رکھتے تھے، انھوں نے اسے بہت محسوس کیا، انھوں نے کہا خدا کی شان! ہمارے سامنے یہ فقیر و حقیر بلا لئے جائیں اور ہم بیٹھے رہیں عجیب معاملہ ہے! ان میں سے ایک سمجھ دار آدمی بولے عمرؓ ترازو میں تول تول کر معاملہ کرتے ہیں، اس میں نہ ان غریبوں کا قصور ہے، نہ عمرؓ کا، سب کو اللہ کے نام پر پکارا گیا تھا، یہ بڑھ گئے تم بیٹھے رہ گئے تم نے اللہ کے کام کی قدر نہیں کی، وہ آج عمرؓ کے دربار میں تم سے زیادہ قدر والے ہیں، کل خدا کے یہاں بھی تم سے پہلے پوچھے جائیں گے۔

جنگوں کا ذمہ دار کون ہے؟

موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مالداری اور مادی عروج ہے، ہمارا لٹریچر ہمارا آرٹ ہمارا ادب سب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ جس کے پاس مادی وسائل زیادہ ہوں اور جو جتنا زیادہ مالدار ہو اتنا ہی وہ شریف ہے، دولت مند ہی آدمی ہے غریب آدمی ہی نہیں آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص جلد سے جلد مالدار بننا چاہتا ہے، اور اس کے لئے جائز و ناجائز سب طریقے اختیار کرتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عزت، دولت ہی سے ہے۔

گزشتہ دونوں جنگیں مال و دولت اور عزت اور وجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں، میرا ٹرین میں ایک ہندو دوست سے تعارف کرایا گیا، وہ چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ دنیا میں سارا فساد مولویوں اور پنڈتوں کا برپا کیا ہوا ہے، ان کا پیشہ ہی یہ ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں

پہلی اور دوسری جنگ مولویوں اور پنڈتوں ہی کی برپا کی ہوئی تھی، اس پر وہ خاموش ہوگئے
میں آپ سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر کا خون پینے والے اور خون کی ہولی کھیلنے والے یہودی صنعت
کارخانہ دار تھے ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں یہودی کارخانہ داروں کا ہاتھ تھا، ان کے اسلحہ (AMMUNITIONS)
کے بڑے بڑے کارخانے تھے، ان کو کھپانے کے لئے ان کو بڑی بڑی منڈیوں کی ضرورت تھی،
ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت انھوں نے سازشیں کیں، واردانتیں کیں، اور ملکوں اور قوموں
کو لڑا دیا، ایک کارخانہ کو چلانے کے لئے انھوں نے اتنا بڑا فساد برپا کیا کہ جس میں لاکھوں جانیں
ضائع ہوئیں، اور ملک کے ملک تباہ ہوگئے بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ بس ہماری
تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے، ہماری قوم سرفراز ہو، یہ بڑے پیمانہ کی خودغرضیاں
سارے فتنہ و فساد کی جڑ ہیں، تہذیب یا کلچر یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں ہوا، میں پوچھتا
ہوں کیا ایک کلچر، ایک تہذیب اور ایک قومیت کے لوگ نہیں لڑے، ہمارے یہاں کورو پانڈو
لڑے ہیں، جو ایک ہی خاندان کے لوگ تھے، عرب میں قبیلہ سے قبیلہ لڑا ہے جس کی ایک ہی
زبان اور ایک ہی کلچر تھا، افغانستان میں پٹھان پٹھان سے، پاکستان میں مسلمان مسلمان سے اور
یہاں ہندوستان میں ہندو ہندو سے لڑتا ہے، اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کر رہے ہیں،
خودغرضیاں ٹکرا رہی ہیں، غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔

اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے

پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی خرابی دور ہو، باہر جو بگاڑ ہے، وہ اندر سے پھوٹ رہا ہے،

اندر کالا والا باہر کو پھونک رہا ہے' ہم سمجھے باہر کی خرابی اندر گھس گئی ہے' اور باہر کی اصلاح میں لگ گئے' جس طرح سارے جسم پر دل کی بیماری کا اثر پڑتا ہے' اسی طرح پورے نظامِ زندگی پر نیتوں کے فتور اور ذہنیت کی خرابی کا اثر پڑتا ہے' پرانے قصوں میں آتا ہے کہ ایک بادشاہ سیر و شکار میں اپنے ہمراہیوں سے جدا ہو گیا اور اس کو رات ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارنا پڑی' بڑھیا نے دودھ دوہا وہ سیروں اترا' بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا' دوسرے وقت بکری کا دودھ کم ہو گیا' بادشاہ وہیں بیٹھا تھا' بڑھیا اس کو پہچانتی نہیں تھی' بڑھیا نے بڑے افسوس سے کہا کہ آج بکری کا دودھ کم ہو گیا' شاید بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا۔

انسان اس دنیا کا بادشاہ ہے' اس کی نیت میں فتور آ گیا' اس کا دل بگڑ گیا اس لئے یہ سب فساد اور خرابی نظر آ رہی ہے' پیغمبر کی نظر بہت گہری ہوتی ہے وہ کہتے ہیں دل کا پاپ دھو' دلوں کو مانجھو' دل ٹھیک کرو' دل کا بگاڑ ہی تو ہے کہ (FOOD CONTROL) ہوا' چور بازاری شروع ہو گئی' اور جب قیمتوں کا کنٹرول (PRICE CONTROL) ہوا تو سامان مفقود ہو گیا' اور لوگ ضرورت کی چیزوں کو ترسنے لگے' جب تک انسان کا پاپی من درست نہیں ہوتا کچھ نہیں ہوتا' کمیونزم (COMMUNISM) نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا کہ بگاڑ اندر سے شروع ہوتا ہے' وہاں بھی من کی کوئی فکر نہیں کی گئی' مزدور فاقہ مستی کر رہے ہیں' وہ ان کے خون اور پسینہ پر عیش پرستی کر رہے ہیں' ان کی لاشوں پر شاندار عمارتیں تیار کر رہے ہیں' انھوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہر طرف من مانی ہو رہی ہے۔

نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی

ہماری سوسائٹی پاپی ہوگئی ہے، اس میں ظلم کا رجحان پیدا ہوگیا ہے، صرف شکوہ گلہ سے دنیا کی اصلاح نہیں ہوسکتی، دل صرف خدا کے خوف سے سدھر سکتا ہے، وہ صرف پیغمبروں کے بتلائے ہوئے طریقہ سے درست ہوسکتا ہے، اگر محض علم وادب یا آرٹ اور سائنس سے درست ہوسکتا تو یورپ کا من پاپ سے بالکل پاک ہوتا، امریکہ میں نشہ بندی کا منصوبہ بنایا گیا، اس کے خلاف محاذ جنگ قائم ہوا، امریکہ نے کروروں روپئے پانی کی طرح بہائے، ایک زبردست مہم (CAMPAIGN) چلائی گئی، اور ایڑی چوٹی کا زور شراب بند کرنے پر لگا دیا گیا، اس کے خلاف اتنا زبردست اور وسیع لٹریچر تیار کیا گیا کہ اگر سب اخبارات اشتہارات اور میگزینوں کو پھیلایا جائے تو کئی میل تک پھیل جائے لیکن جتنی کوشش کی گئی امریکہ کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کو اس کی اور زیادہ ضد ہوگئی، شراب کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگیا، آخر حکومت نے عاجز آکر قوم کے ارادہ اور ضد کے مقابلہ میں ہار مان لی اور قانون واپس لے لیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خارجی انتظامات اور دماغ کے راستہ سے جو کوششیں کی جاتی ہیں، وہ ناکام رہتی ہیں، اور کوئی بڑا نتیجہ نہیں پیدا کرتیں، امریکہ کی پڑھی لکھی اور مہذب دنیا نے لٹریچر اور ادب کے معقول اور وزنی دلائل کی ذرا پرواہ نہیں کی اور اپنے نفس اور خواہش کا ساتھ دیا۔

ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ

اس ملک میں جو اخلاقی انارکی پھیلی ہوئی ہے، وہ یہاں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے،

افسانے اخلاق سوز باتیں پھیلا رہے ہیں، ہماری نئی نسلوں کو حیا سوز انجکشن دیئے جارہے ہیں، سینما کے پردوں پر پاپ دکھایا جارہا ہے آنکھوں سے، کانوں سے دل میں پاپ اتارا جارہا ہے اخبار اور رسالے پاپ کی کھلم کھلا تبلیغ کررہے ہیں، اور اس کا کوئی توڑ نہیں ہم صفائی سے علی الاعلان کہتے ہیں، ہمیں آزادی ملی اللہ کی بڑی نعمت ہے لیکن اگر ہم اخلاق پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے تو آزادی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

یورپ اور ہندوستان کا فرق

یورپ میں ہزاروں خرابیاں ہیں، لیکن وہ تھما ہوا ہے کچھ شک نہیں مغربی زندگی میں بہت سے اخلاقی جرائم اور بد اخلاقیاں پائی جاتی ہیں لیکن وہ ذرا آراستہ (REFINED) قسم کی ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں با اصول، پابند اور مہذب ہیں، ان میں گھٹیا قسم کی چھوٹی چھوٹی بے ایمانیاں نہیں پائی جاتیں، وہ ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں اور ان کی شہری اور مجلسی زندگی زیادہ منظم اور باقاعدہ ہے میرے ایک دوست نے بتلایا کہ وہ لندن میں برٹش میوزیم میں کچھ علمی کام کررہے تھے، لائبریری کے ساتھ وہاں رسٹورنٹ بھی ہوتے ہیں، اور ان میں عموماً (GIRLS) کام کرتی ہیں، وہ کہتے تھے کہ میرا روزانہ کا معمول تھا کہ جب تھک جاتا تو ہوٹل میں جاکر مچھلی کے کباب کھایا کرتا، اور جتنے پیسے مجھے بتلائے گئے تھے، اتنے روز دے آیا کرتا تھا، ایک دن جب میں پیسے دینے لگا تو وہاں کی منتظمہ نے مجھ سے کہا اچھا آپ ہی ہیں، جو روزانہ دو پیسے زیادہ دے جایا کرتے ہیں، ہمارا حساب بڑھتا تھا، اور ہم

کئی روز سے اس شخص کی تلاش میں تھے، جو زیادہ (PAYMENT) کرجاتا ہے آپ کو غلطی سے دام زیادہ بتلا دیئے گئے، یہ آپ کے پیسے ہیں، جو الگ رکھ لئے گئے ہیں یورپین لڑکی میں یا ایمانداری کا وصف خدا پرستی کے جذبے سے نہیں پیدا ہوا، وہاں چرچ فیل ہو چکا ہے، ایمانی قدریں (VALUES) ضائع ہو گئیں تو انھوں نے خالص مادّی نفع کے لئے یہ تجارتی اخلاق وضع کر لئے اور ایسا ذہن بنا لیا جو کامیاب تاجر کے لئے ضروری ہے۔

اخلاق کی دو قسمیں

یورپ کے اخلاق میں توازن نہیں، ان کی مثال وہی ہے کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملوں میں وہ بڑی ایمانداری سے کام لیتے ہیں، لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے تو ایسے ایمان دار افراد قوموں کو نگل جاتے ہیں، انفرادی زندگی میں ان کا یہ حال ہے کہ اگر ۹ بج کر ۱۲ منٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہونچیں لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکا دینے میں انھیں ذرا تأمّل نہیں، عربوں کے ساتھ ان کی عہد شکنی ضرب المثل ہے، ہم خود ان کا یہاں تجربہ کر چکے ہیں، ان میں اخلاق، خدا پرستی اور آخرت کی جوابدہی کی بنیاد پر نہیں آئے، بلکہ نفع اندوزی اور مصلحت کے لئے انھیں اخلاقی ذہن بنانا پڑا، جب مصلحت کا تقاضا ہو تو بڑے با اخلاق، وعدہ کے پکے، اور جہاں ان کی مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہو تو بڑی سے بڑی بد اخلاقی میں ان کو باک نہیں۔

پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق

پیغمبروں کی تعلیم سے جو اخلاق بنتے ہیں وہ مستقل اور مصلحت اندیشی سے پاک ہوتے ہیں، نفع ہو یا نقصان، جان جائے یا رہے، وہ اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑتے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ایسا ذہن بنا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ جو اس وقت متمدن دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے، ایک رات حکومت کا کام کر رہے تھے، سرکاری چراغ جل رہا تھا، ایک ملنے والے آگئے، وہ سلام کر کے مزاج پوچھنے لگے، انھوں نے جواب دینے سے پہلے چراغ بجھا دیا، پھر ٹمٹماتا ہوا دیا منگایا، آنے والے نے جب دریافت کیا تو کہا وہ بیت المال کا چراغ تھا، تم آپس کی باتیں کرنے لگے، اس لئے میں نے اس کو گل کر دیا کہ اگر اس کی روشنی میں گھریلو باتیں کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا، ایسی احتیاط کے نمونے کہیں کریملن (KREMLIN) کے حدود میں نظر آسکتے ہیں، یہ اخلاقی قدریں اور روحانی بلندیاں ان کے خیال میں نہیں آسکتیں، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ سکتے ہیں، اور ان کے خیال کی پرواز یہیں تک محدود ہے کہ ہر انسان کو پیٹ بھر کھانا، دوا، اور رہنے کا مکان ہو، بیگار نہ لو، خواہشات کا احترام کرو وغیرہ وغیرہ۔

خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ جو ایران اور رومن ایمپائر کی دو زبردست شہنشاہیوں کے زبردست فاتح تھے، ان کے زمانے میں قحط پڑا تو اچھی غذا اپنے اوپر حرام کر لی، وہ سرخ و سفید تھے لیکن تیل کھاتے کھاتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا۔

سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری

ہم سیدھی سادی بات یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستہ کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس بنیاد پر انسانوں کو انسانیت کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس کو سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری سمجھتے ہیں، ہم سے زیادہ کوئی اس کی خدمت نہیں کر سکتا ہم مانتے ہیں کہ ملک کے لئے ایسے ادارے ضروری ہیں، جن سے ملک ترقی کرے ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، ملک کے لئے تعلیمی اداروں، شفاخانوں، صفائی کے محکموں کی ضرورت ہے، ملک کو رسل و رسائل COMMUNICATIONS دفاع (DEFENCE) اور دوسرے محکموں کی ضرورت ہے، ان سب کے باوجود ملک میں ظلم، اندھیر اور دوسرے کے پیٹ کاٹنے کا جو طاعون پھیلتا جا رہا ہے، اسے نہ روکا گیا تو اس کی عزت، اس کا وقار اس کی آزادی خاک میں مل جائے گی، ہم سب سے کہتے ہیں کہ یہ ملک کی سب سے پہلی ضرورت ہے، وہ تمام ادارے جنھیں میں پہلے ضروری اور مفید کہہ چکا ہوں سب اس کے بعد آتے ہیں، ہم اس حقیقت کے پرچار کے لئے گھر سے نکلے ہیں، کوئی اور اس کام کو کرتا ہوتا تو اس کے ساتھ تعاون (COOPERATE) کرتے۔

ہماری دعوت

ہم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حصہ رسد بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے، یہاں کی دولت میں حصہ

لگانے نہیں آئے تھے، ہم ایک مشن ایک خدمت پر آئے تھے ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے، یہاں جو مسلمان آئے تھے، وہ اخلاق، محبت، خداپرستی کا پیغام لے کر آئے تھے، انھوں نے اس ملک کو کچھ دیا لیا نہیں، وہ یہاں سے کچھ لینے نہیں آئے تھے، اس کو کچھ دینے آئے تھے، وہ رہنے آئے تھے، یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے، اگر ایسا سوچتے تو اٹالہ کی ایسی شاندار و پائدار مسجد نہ بناتے، وہ تو خداپرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے، کہاں کے عرب، کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خود ساختہ حدیں ہیں، ساری دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت کے چلانے والے ایک اللہ کی طرف سے وہ یہ تعلیم لائے تھے، انھوں نے دنیا سے لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی، انھوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھر دی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے، اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے کنبے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی، ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا، جو آیا غربا میں تقسیم کیا، ضرورت مندوں کی جھولیاں بھریں، انھیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا، ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے تھے، جسم پر نشانات پڑ گئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر آپ اللہ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں، اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں، آنحضرتؐ نے فرمایا، عمر عیش تو آخرت کا عیش ہے۔

مسلمانوں کی غلطی

ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں، تم نے ان باتوں کو مانا ہے، تمہارا ان پر ایمان ہے، تم ان اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آ گئے، تم اپنے کردار اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو، اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو، تم دنیا کو اسلامی زندگی کی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو، وہ بڑی افسوس ناک ہے، تم نے جو زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے، اس میں کون سی جاذبیت (ATTRACTION) ہے، پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے، نقش چھوڑ جاتے تھے، دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے، مسلمان جدھر سے گذر گئے گلی کوچے معطر کر گئے، اور جہاں سے چلے آئے وہاں سے سفارتیں بھیجی گئیں کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے، مسلمان نہیں ہیں، جنھیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں، اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلہ کریں، ان کی خواہش پر مسلمان بھیجے گئے، افسوس اب تم ایسے بن گئے کہ تمہارے نہ ہونے سے ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے؟ مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ بسائے گئے، اگر تم میں اخلاقی برتری (MORAL SUPERIORITY) ہوتی تو اخلاقی ضرورت کا احساس مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ کر رکھا جائے، تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا بچانے کو عیب سمجھتے، تمہارے دستکار اور مزدور

محنت سے پورا دن لگ کر کام کرتے تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔

ایک کشتی کے سوار

اپنے وطنی بھائیوں سے بھی مجھے دلی محبت ہے، ہمارا آپ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے آپ اچھے تو ہم بھی اچھے، آپ کی تکلیف ہماری تکلیف ہے، اللہ کے پیغمبر کسی خاص ملک کو نوازنے نہیں آئے، وہ سارے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" خدا کے آخری نبی حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے آکر عربوں کے قومی غرور کو پاش پاش کر دیا، انھوں نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے نسلی غرور کو توڑ دیا ہے، میں انھیں اپنے قدموں سے روند رہا ہوں، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، کشتی میں ایک اوپر کا درجہ (STOREY) ہے، اور ایک نیچے کا، نیچے والے اگر اس میں سوراخ کریں، اور اوپر والے ان کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کشتی غرق ہو جائے گی، اور نیچے اوپر والے سب ڈوب جائیں گے، آج ہمارے ملک کی زندگی کے نچلے حصہ میں شگاف کیا جا رہا ہے، اسے روکنے کی فکر کریں، اس میں پاجامے اور دھوتی کی کوئی تمیز نہیں، کسی کلچر اور تہذیب کی کوئی قید نہیں، سمندر کسی کی رعایت نہیں کرتا، ہمیں اللہ سمجھ دے، سینوں کو روشن کرے، ہم انسانیت کا درد محسوس کریں، اپنے اس پیارے ملک کو جس پر ہمارا حق ہے، جس کو ہم نے اپنے خون پسینہ سے سینچا ہے،

ہم پیغمبروں کے راستے سے سنواریں، ہم اس کو ایک نمونہ کا ملک بنادیں جس میں ایمان، یقین، اخلاق، انسانیت اور ہمدردی وایثار کی فضا ہو، اس کے لئے ایک جری قدم (BOLD STEP) کی ضرورت ہے، قدم اٹھایئے، ہمت کیجئے، میں نے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کردیا، آپ اس کا وزن محسوس کریں یہ بوجھ تنہا ہماری طاقت سے باہر ہے، اس کا پرچار کریں اور سنجیدگی سے اس کے لئے کچھ کرنے کا فیصلہ کریں۔

انسان خود پرست بھی ہے خود فراموش بھی

یہ تقریر ۲۲ رجنوری ۱۹۵۴ء رات کو ۷½ بجے ٹاؤن ہال غازی پور کے ایک جلسۂ عام میں ہوئی، جس میں ہندو مسلمان تعلیم یافتہ اصحاب کی کافی تعداد تھی۔

انسان اور جانور کا فرق

دوستو اور بھائیو! جانوروں اور انسانوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے، اور وہ یہ کہ جانوروں میں اپنی حالت سے بے اطمینانی اور اپنی زندگی کی ترقی کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی لیکن انسان اس کا احساس رکھتا ہے، ہم اور آپ اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہیں، اس بے اطمینانی کو عام طور سے برا سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر یہ بے اطمینانی جو انسان کا جوہر ہے، ختم ہو جائے تو پھر زندگی کی خوبی اور دلچسپی ختم ہو جائے، ہر شخص زندگی کی شکایت کرتا ہے، اور اکثر گفتگو اس بے اطمینانی پر ہوتی ہے، مگر اس کو دور کرنے کی فکر اور اس کے اسباب پر غور کرنے کی تکلیف بہت کم لوگ گوارا کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ذمہ داری کی چیز ہے، اور انسان ذمہ داری سے گھبراتا ہے۔

اگر کسی مشین یا ایک گھڑی میں خرابی ہو جائے تو اس کو گرانے اور ٹپکنے سے وہ درست نہیں ہوتی، بلکہ اس کو آسانی اور سہولت سے درست کرنے ہی سے کام چلتا ہے، اسی طرح غور کرنا ہے کہ اس وقت انسانیت کی چول تو اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی نہیں ہے، اور یہ سارا بگاڑ اور بے اطمینانی انسانیت کی پستی ہی کا نتیجہ تو نہیں ہے، جس کے ذمہ دار ہم اور آپ ہیں۔

انسان کے لئے سب سے محبوب اپنی ذات ہے

انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت ہے، اور جس سے جتنی دلچسپی ہے، وہ اپنی

ذات کے تعلق کی بنا پر، ہر محبت میں انسان کی اپنی ذات چھپی ہوتی ہے، اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک خوردبین کی ضرورت ہے محبت کے فلسفہ پر غور فرمائیے کہ کسی شخص کو آپ سے محبت ہے تو یقیناً آپ کو بھی اس سے محبت ہوگی، اولاد، بھائیوں اور دوستوں کی محبت میں درحقیقت انسان کی اپنی محبت کام کرتی ہے، انسانی محبت کے لئے سائیکالوجیکل خوردبین کی ضرورت ہے اگر انسان کو اپنی ذات سے محبت نہ ہو تو یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے، اب تو یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ قوتِ کشش کا فلسفہ بھی دراصل ایک تعلق اور محبت کا رشتہ ہے، جو نظامِ شمسی کو قائم رکھتا ہے، اس دنیا میں جو رونق ورنگینی اور چہل پہل معلوم ہوتی ہے، وہ سب انسان کی اپنی ذات سے دلچسپی رکھنے کا نتیجہ ہے، اگر انسان کو اپنی ذات سے دلچسپی نہ ہو تو بازار، کارخانے اور کاروباری سرگرمیاں سرد پڑ جائیں کیونکہ ذاتی دلچسپی تو کسی چیز سے نہیں بلکہ انسان کو اپنی ذات کا عشق، دوسری چیزوں سے تعلق اور محبت پر مجبور کرتا ہے، یہ لاکھوں برس کی پرانی اور فطری حقیقت ہے، اس دنیا میں جو کچھ طاقت، زینت اور نظام آپ دیکھتے ہیں، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے، انسان اس دنیا کا مرکز ہے، اور ساری چیزیں اس کے گرد گھوم رہی ہیں، اگر انسان اپنی ذات سے دلچسپی نہ رکھے اور اس کو فراموش کر دے، اپنی حقیقت سے ناواقف ہو اور اپنی ذات کو بھول جائے تو بڑی انارکی پھیل جائے، اور بڑی ابتری اور بدنظمی رونما ہو۔

ایک ذہنی طاعون

انسان کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو سمجھے، اپنی حیثیت کو

پہچانے اور یہ جانے کہ یہ ساری دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے، اور انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصد ہے، ذریعہ کو ذریعہ اور مقصد کو مقصد سمجھنا چاہئے، انسانی تاریخ کا یہ ایک بحرانی دور اور ذہنی پلیگ ہے کہ وہ اپنی ذات کو فراموش کردے، اپنے مقصود اور وسائل و ذرائع کو الگ الگ نہ پہچانے اور ذرائع کو مقصود سمجھے، انسان پر خود فراموشی کا طاری ہونا ایک خطرناک بیماری ہے، جب کہ یہ بھلا دے کہ وہ کس مقام پر رکھا گیا تھا، اور اس کی کیا حیثیت اور ذمہ داری ہے، اسے کون سا پارٹ ادا کرنا ہے، اور اس کا اس عالم سے کیا تعلق ہے۔

اس زمانہ میں ایک خاص قسم کا ذہنی پلیگ پھیلا ہوا ہے، جو مشرق سے مغرب تک ہے، بظاہر تو انسان اپنی ذات سے اس قدر دلچسپی اس زمانہ میں رکھتا ہے، اس کے لئے جو محنتیں اور کوششیں کر رہا ہے، اور جو ایجادات، اختراعات اور مصنوعات سامنے آرہی ہیں، وہ یہ دھوکہ دیتی ہیں کہ انسان کو اپنی ذات سے جس قدر دلچسپی اس زمانہ میں ہے ایسی دلچسپی کسی زمانہ میں نہیں رہی، انسان پچھلے دور میں گویا سویا ہوا تھا، اب جاگا ہے، زندگی کو جیسا پُر تکلف اور راحت آشنا بنا دیا گیا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے اس وقت ہمیشہ سے زیادہ دلچسپی ہے، انسان اپنی ذات کے لئے جو ذہانتیں دکھا رہا ہے، اور جو قوتیں استعمال کر رہا ہے، ایسا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اور اب بظاہر انسان کو اپنی ذات سے بے انتہا شیفتگی ہے، لباس نئے نئے، کھانے عجیب و غریب اور راحت و سہولت کے کتنے ذرائع نکل آئے ہیں۔

اس زمانہ کی خود فراموشی

میں یہ عرض کروں گا کہ دراصل انسان نے اپنی ذات اپنی آدمیت اپنے جوہر اپنے اصل ذائقہ اور اپنی حقیقی لذت کو جس قدر اس زمانہ میں بھلایا ہے ایسا کبھی نہیں بھلایا تھا' انسان اس وقت سب سے کم اپنی ذات اور اپنے ذاتی مسائل پر غور کرتا ہے اور جو چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی تھیں ان پر اپنی زندگی کو قربان کر رہا ہے' ظاہری چیزیں چھوٹے تقاضے اور بیرونی لذتیں اس پر ایسی حاوی ہو چکی ہیں کہ وہ اپنے باطن اور اپنی حقیقت کو بالکل فراموش کر چکا ہے۔

یہ دور دراصل دو متضاد پہلو رکھتا ہے' ایک ظاہر اور دوسرا باطن' اگر پرکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اس مادی ترقی کے دور میں انسان نے اپنے روحانی جوہر اور حقیقی مقصد اور زندگی کی اصل لذت کو بالکل بھلا دیا ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور لطف یہ کہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتا اپنی بیماری کو سنجیدگی سے نہیں سوچتا' اس کے ذرائع مقاصد بن گئے ہیں' انسان ان چیزوں پر کیسے مر رہا ہے' جو اسی کے لئے ہیں' ذرا غور کیجئے' کیا انسان اپنی ذات سے واقف ہے' اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے' کیا انسان اپنی حقیقی راحتوں کو یاد کرتا ہے' ہرگز نہیں' بلکہ انسان پر ایک جنون طاری ہے' اور وہ ایک عجیب کھیل کھیل رہا ہے' صبح سے شام تک ایک چکر میں رہتا ہے' جانوروں سے زیادہ محنت کرتا ہے' بہت سے انسان ایسے ہیں' جنھوں نے اپنے آپ کو روپیہ ڈھالنے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔

لاحاصل کوشش

میرے بچپن میں بچے ایک کھیل کھیلا کرتے تھے کہ بڑھیا بڑھیا کیا ڈھونڈ رہی ہے، جواب ملتا تھا سوئی، سوئی کا کیا کرے گی، جواب ملتا تھا تھیلی سیوں گی، تھیلی کا کیا کرے گی، جواب ملتا، روپیہ رکھوں گی، روپیہ کا کیا کرے گی، جواب ملتا، گائے خریدوں گی، گائے کا کیا کرے گی، جواب ملتا، دودھ پیوں گی، اُدھر سے جواب ملتا، دودھ کے بدلے "موت" آج ساری دنیا یہی کھیل کھیل رہی ہے، ساری دنیا اپنی محنتوں کے صلہ میں جو حاصل کرنا چاہئے تھا، اس کے بجائے بے مقصد اور غیر حقیقی چیزوں میں الجھ کر رہ گئی ہے، انسان تعلیم حاصل کرتا ہے اور تعلیم اس لئے کہ روپیہ کمائے اور روپیہ اس لئے کہ آرام پائے، یہ ایک مسلسل زنجیر ہے جس میں سارے انسان جکڑے ہوئے ہیں، انسان جس کے لئے سب کچھ کرتا ہے اس کو بھول جاتا ہے، آج حقیقی مقاصد زندگی بالکل فراموش کئے جا چکے ہیں، زندگی کا سارا سفر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ انسانیت جس کے لئے چلی تھی، وہ اس کا راستہ نہیں۔

سکّہ کی انسان پر حکومت

سکہ کس لئے ہے، اس کی قیمت یہی تو ہے کہ انسان اس سے کام لے آپ نے بے جان سکہ میں جان ڈالی مگر سکہ کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ اس سے عشق کریں، اس سے جو کام لینا چاہئے تھا، وہ نہیں لیا جاتا بلکہ سکہ اس وقت انسان پر حکومت کر رہا ہے، اس سکہ کے لئے دنیا میں

دو بڑی لڑائیاں ہوئیں، آپ نے عہدوں، کوٹھیوں اور کرسیوں کو اپنے اوپر حکمراں بنا لیا، انسان نے انسان کے خلاف خوفناک ہتھیار استعمال کئے، انسان نے انسانیت سے سرکشی کی، بغاوت کی جس کے نتیجہ میں انسان کو انسان سے ہزار گنا ادنیٰ چیزوں کو اپنا حکمراں بنانا پڑا وہ چیزیں جن میں زندگی نہیں لوچ نہیں کوئی برتری نہیں، وہ انسان پر مسلّط ہیں یہ ایک عجیب اور عبرتناک حال ہے کہ اشرف المخلوقات پر اس کے بنائے ہوئے قانون اور بے جان اشیاء حکومت کریں۔

ذرائع مقاصد بن گئے

اس دنیا میں اکثر انسان ایسے ہیں جن کو یاد نہیں کہ ان کا مقام اور مقصدِ حیات کیا ہے، جو چیزیں انسان کے مقاصد کا صرف ذریعہ ہیں ان پر ایسی محنتیں کی جا رہی ہیں کہ گویا وہی اصلی مقاصد ہیں، اصل مقاصد کو بھلا کر انسان ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہے انسان چاہتا ہے کہ دوسروں پر حکومت کرے لیکن جب ایک کو دوسرے پر فتح ہوتی ہے تو اس پر دوسری چیزیں حکومت کرتی ہیں، ایک قوم کیا ایک فرد بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس پر دوسرا حکومت کرے، مگر انسان سے ہزار درجہ پست چیزوں کو مثلاً کپڑوں کو، کوٹھیوں کو، روپیہ کو آج ہم نے اپنے اوپر حکمراں بنا رکھا ہے، انسان پر آج خواہشات کی، اپنے بنائے ہوئے قانون کی اور جمادات کی حکومت ہے، حالانکہ ان چیزوں میں ہرگز کوئی جاذبیت نہیں اور وہ ہرگز ہمارا مقصود بننے کے قابل نہیں، مگر ہم نے جمادات کو ترجیح دی انسانوں پر، ہم نے نباتات کو انسان سے افضل سمجھا، حالانکہ ہم میں آج لاکھوں انسان حقیقی آرام سے محروم ہیں، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ

انسان نے انسانیت کو فراموش کر دیا اور اس پر ایک خود فراموشی طاری ہے۔

یقیناً ہم لوگ بھول چکے ہیں کہ ہمارا اصل مقام کیا ہے، ہماری غلط روش ہی سے ساری دنیا میں آج انتشار ہے، آج ہم عہدوں کے لئے جان دیتے ہیں اور اپنی حقیقی عزت اور اصل راحت کو فراموش کر چکے ہیں، جغرافیہ کس لئے ہے؟ اگر اس دنیا میں انسان نہ پیدا ہوتا تو تاریخ وجغرافیہ کی کیا ضرورت تھی، سارے علوم وفنون انسان ہی کے لئے تو ہیں، پھر یہ کیا ہے کہ انسان اپنی پوزیشن نہیں سمجھتا اور اپنی حقیقت سے دور ہوتا چلا جارہا ہے، آپ کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے، ہم کس لئے آئے، کیا ہم اس دنیا میں اس لئے بھیجے گئے کہ دریاؤں پر دوڑیں اور ہوائیں اڑیں، اور مادی ترقیوں کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں، ہماری زندگی کا جو لباس ہے اس میں برابر جھول پڑتے جارہے ہیں، اور دامنِ انسانیت آج تار تار ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خدا کے برگزیدہ بندے جنھیں پیغمبر کہتے ہیں، دنیا میں اسی لئے آئے کہ انسان کو اس کا مقام اور مقصدِ زندگی بتلائیں، اور انھوں نے ایک موٹا اصول بتلایا کہ انسان اللہ کے لئے بنایا گیا ہے، اور یہ ساری مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے، اگر ہم اور آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم اس دنیا کے امین، ٹرسٹی اور نگراں ہیں تو یقیناً ہمارا اور آپ کا رویہ اور طرزِ زندگی بدل جائے اور دنیا میں جو فساد اور تباہی برپا ہے، وہ یقیناً دور ہوسکتی ہے۔

دولت مند بننے کی ریس

لیکن اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ صرف روپیہ ڈھالنے کی مشین ہیں تو انسانیت کے

لباس میں جھول پڑتے ہی جائیں گے، غیر محدود تعداد میں روپیہ پیدا کرنا جب آپ کا مقصدِ حیات ہوگا تو نہ آپ انسانی رشتہ کو ملحوظ رکھیں گے نہ کسی کے دل کو ستانے میں عار ہوگا نہ کسی پر ظلم کرنے میں ہچکچائیں گے، اگر آپ کا آئیڈیل یہ ہوگا کہ زندگی صرف عیش و آرام و دولت مند بننے اور تھوڑی مدت میں جلد از جلد روپیہ سمیٹنے کا نام ہے، پھر اس کا نتیجہ یہی ہوگا، جو آج ہمارے سامنے ہے، خواہ انسانیت کا خون ہو، اور آدمیت برباد ہو، مگر ہر انسان دولتمند بننے کی اس ریس میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے، ساری اخلاقی تعلیمات طاق پر رکھی ہوئی ہیں، اور ہر ایک شہر میں ایک ریس کا میدان گرم ہے، دفتروں میں شام ہونے سے پہلے کلرک چاہتا ہے کہ جیب بھرے، اس وقت فلسفہ شاعری اور فائین آرٹس کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے، اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے، اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی یہی بن گیا ہے کہ دولت حاصل ہو۔

سکہ کے اخلاق

آپ جس چیز سے محبت کریں گے، اس کا عکس آپ پر ضرور پڑے گا، آج روپیہ کی محبت کا عکس بھی پوری انسانیت پر پڑ رہا ہے، روپیہ کی بے وفائی اور اس کا تلوّن آج ہمارے دماغوں اور دلوں میں گھس چکا ہے، سارا دھیان گیان آج اس سکہ کے دھیان میں مٹ چکا ہے، ہم میں سکہ کی خاصیت یعنی سختی، تلوّن اور بے وفائی پائی جارہی ہے، ساری عمر کی کوشش کے باوجود اور روپیہ زیادہ سے زیادہ کمانے پر بھی آج دنیا کو وہ فائدہ نصیب

نہیں ہوتا جو سکہ کا مقصد تھا کیونکہ انسانی ہمدردی اور جذبۂ خدمت کے بغیر سکون کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی، انسانوں کی حق تلفی انسانیت کا خون ہے، آئیڈیل کی حکومت ہر زمانہ میں رہی، مگر کسی زمانہ میں بھی انسانی زندگی کا یہ آئیڈیل رہا ہے کہ دولت کے حصول کی خاطر انسان کا نازک دل بھی ملے تو اس کو روندتا چلا جائے، انسانی اخلاق آج ہم سے رخصت ہو گیا، سکہ کے نام پر آج انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

تاجر اور خریدار

آج بھائی بھائی کو گاہک یا خریدار کی نظر سے دیکھتا ہے، اور ساری دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، ایک تاجر اور دوسرا خریدار، آج دنیا کو اصرار ہے کہ ساری زندگی اسی بازار میں گزارے، انسانوں نے انسانوں کے دلوں میں گھر کرنا، دلوں کو آباد کرنا، صورتوں پہ نظر ڈالنا اور باہمی رشتوں کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھنا بالکل ختم کر دیا، اس دنیا میں گویا سارے رشتے ختم ہو چکے، تمام جذبات سرد پڑ گئے اور ساری محبتیں اٹھ چکیں اور اب ایک تاجر دوسرا خریدار بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے اور ایک دوسرے کی جیب پر نظر جمائے ہوئے ہے، اس دولت نے اولاد کے دلوں سے والدین کی محبت نکال دی، چیلوں کے دلوں سے گروؤں اور استادوں کی عظمت ختم کر دی، ماں باپ کے دلوں سے اولاد کی شفقت کھو دی اور ساری زندگی ایک دوکان بن کر رہ گئی، بے لوث ہمدردی اور خدمت کا جذبہ نیست و نابود ہو چکا، اور حقیقی لطف اب زندگی سے

اٹھ چکا، ہر شخص دوسرے کو گاہک کی نظر سے دیکھتا اور سوچتا ہے کہ کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر دنیا میں صرف دوکاندار اور گاہک ہی بستے ہوں تو کیا خاک لطفِ زندگی ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کے دورِ حکومت میں ایسے اتاد دیکھنے میں آئے، جو پڑھانے کا بِل بنا کر دینے تھے، اور ایک کلکٹر صاحب نے جن کا لڑکا ان کے پاس آکر ٹھہرا تھا، اس کے قیام کا بِل بھی بنا کر دیدیا تھا، اب تو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بے جان اور بے زبان چیزیں بھی بل پیش کرنے لگیں، درخت اپنے سایہ میں کھڑے ہونے کا بِل بنانے لگیں، زمین اپنے اوپر چلنے کا معاوضہ طلب کرنے لگے، یہ زندگی کیا ہے، ایک منڈی بن گئی ہے، لیکن ساری زندگی منڈی میں کیونکر گزرے۔

دولت کا ضرورت سے زائد احترام

سب سے پہلے ہماری نظر جب کسی پر پڑتی ہے تو اس کے لباس، معیارِ زندگی اور مالی حیثیت کو دیکھتے ہیں، اس کے اخلاق اور اس کی انسانیت کی ہمارے بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں، آج انسان بالشتیوں کی طرح ایک سونے کے پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمیں کون سی چیز زندگی کی حقیقی خوشی اور لذت سے آشنا کر رہی ہے۔

پیغمبروں نے انسانوں کو تبلایا تھا کہ اگر تم نے اپنے کو دنیا کا تابع کر لیا، اور اپنی خواہشات کو اپنے اوپر مسلط کر لیا تو یہ ساری زندگی غیر فطری اور بدنظم ہو جائے گی اور ایک ایسی انارکی پھیلے گی کہ یہی دنیا تمہارے لئے جہنم بن جائے گی، اگر انسان نے اپنے کو نہیں پہچانا تو وہ

اپنے مقام سے گرتا چلا جائے گا، اور انسانیت تباہ و برباد ہو گی۔

مقام انسانیت

قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کر کے فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا گیا جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی یہ ایک تذلیل ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے سامنے جھکے جب کہ خدا کے بعد اس کے فرشتے ہی سب سے زیادہ جھکنے کے قابل تھے، کیونکہ وہ اس عالم کے کارپرداز ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بارش لاتے ہیں، ہوائیں چلاتے ہیں جس طرح ایک حاکم اپنے نائب کا اپنے اہل کاروں سے تعارف کراتا ہے، اسی طرح خدا نے انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا کر ایک تعارف یا انٹروڈکشن کرایا کہ انسان کی نسل کو قیامت تک کے لئے یہ سبق یاد رہے کہ وہ بجز خدا کے کسی کے آگے جھکنے کے قابل نہیں، مگر انسان اپنی ہستی اور ذات کو فراموش کر کے انسانیت کی تذلیل اور خون کر رہے ہیں۔

انسان کا اصل دشمن

جنگی تاریخیں صاف بتلاتی ہیں کہ بجز ہوس کی آگ نفس کی آگ اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے اور کوئی اہم مقصد حکومتوں کے سامنے نہیں رہا، کسی بیالیے اور کسی مریخ سے کوئی دشمن نہیں اترا، باہر سے کوئی ستانے کے لئے نہیں آیا، کسی دوسرے ملک سے بجلی ہمیں تباہ کرنے کے لئے کوئی نہیں آیا، بلکہ جو کچھ ہماری مصیبتیں ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی

اور ہماری اخلاقی پستی کا نتیجہ ہیں۔

آپ سے پہلے جو قومیں دنیا میں تباہ ہوئیں، ان پر کسی مرض یا وبا سے تباہی نہیں آئی بلکہ وہ اپنے اخلاق کی خرابی، دولت پرستی اور کیریکٹر کی گراوٹ سے تباہ ہوئیں، سیاسی پارٹیاں چاہے جو مرض اور بیماری بتلائیں، مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ اصلی بیماری انسانیت کی تباہی اور اخلاقی پستی ہے۔

آنکھوں کی ہوس

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ماہر اقتصادیات یہ ثابت کرے کہ جتنی پیداوار ہے، اس سے زیادہ آبادی ہے، کیونکہ اللہ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے، اس کا رزق بھی پیدا کیا ہے، مگر آج انسان کی ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے، مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے، یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی، آج فرضی ضرورتوں کی فہرست اتنی طویل ہو چکی ہے کہ جس کی تکمیل کبھی ہو ہی نہیں سکتی، ہماری ضرورتوں کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، مگر اللہ نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ آپ چار موٹروں کی ہوس کریں، آپ سنیما کی ہوس کریں، آپ روپیہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھیں، آج اگر انسانوں میں سکون پیدا ہو سکتا ہے، اگر زندگی بہتر بن سکتی ہے تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھا قانون تلاش کریں۔

مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں

مذہب کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، جو لوگ مذہب کو ایک مظلوم کی حیثیت سے

پیش کرتے ہیں، ان لوگوں میں نہیں ہماری صنعتیں ہماری پریشانیاں ہمیں اس بات پر خود مجبور کرتی ہیں کہ ہم مذہب کو اپنائیں آپ کب تک ضد کریں گے، اور کب تک اپنی آنکھوں میں خاک ڈالے رہیں گے، آخر آپ کو اپنی اس بے لطف اور تلخ زندگی کا چسکا کب تک پڑا رہے گا، آج میں دعوی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی قانون اور کنٹرول انسانوں کو بد اخلاقی اور جرائم سے نہیں روک سکتا بلکہ خدا کا خوف اس کا مذہب سے تعلق انسانوں سے محبت ہی ہماری بیماری کا واحد علاج ہے آج افسوس یہ ہے کہ اس لمبے چوڑے ملک میں جس میں کروروں انسان بستے ہیں اور بڑے سے بڑے انسان ہیں، جو ہمارے لئے قابل فخر ہیں، مگر اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے اور روحانی اور انسانی زندگی کو رواج دینے کے لئے کوئی تحریک اور کوئی جماعت نظر نہیں آتی۔

ہم نے بہت انتظار کیا اور آخر یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہم سے بن پڑے اس کو شروع کریں۔

آزادی کی حفاظت

میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنا تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو برقرار رکھنا اس کے بغیر ناممکن ہے کہ ہماری اخلاقی حالت درست ہو، اور ہماری زندگی میں انسانیت زندہ ہو، دنیا کی تاریخ بتلاتی ہے کہ کوئی ملک اور کوئی حکومت بغیر اخلاقی ترقی اور انسانیت کی بقا کے قائم نہیں رہ سکتی۔

آج یہ کام ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لئے ضروری ہے، آپ اس یقین کے ساتھ اس سے تعاون کریں کہ بغیر ایک بے لوث خدمت کے جذبہ اور اخلاقی بلندی اور انسانیت کی

بیداری کے ہماری زندگی کی مصیبتیں دور نہیں ہوسکتیں۔

یورپ زندگی سے مایوس ہے

یورپ جو آج دنیا کا امام بنا ہوا ہے، اپنی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی سے مایوس ہو رہا ہے، اور زندگی کے حقیقی لطف اور اصل سکون سے محروم اور خالی ہاتھ ہے اور اپنی مادہ پرستی سے بددل ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کا فرض منصبی

مسلمانوں سے میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کو جتنا اصرار خدا کی وحدانیت پر، خدا کی ذات پر اور خدا کے دین پر ہے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ دنیا میں اس اعلان کو عام کرتے اور اس دبی ہوئی حقیقت کو ابھارتے، دوسرے بھائیوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلاتے، مگر آپ نے تو اس کی فکر تک نہ کی، آپ دوسرے ملکوں پر نظریں لگانا چھوڑ دیں، اپنے اسلاف کی تاریخ پر نظر ڈالئے کہ اسپین میں لنگر انداز ہونے پر جب طارقؒ نے اپنے جہازوں کو آگ لگوادی، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کیا تو تلوار پر ہاتھ ڈال کر جواب دیا کہ جو بزدل جہازوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو، وہ ناامید ہو جائے لیکن ہمارا معبود تو صرف ایک اللہ ہے، جو حیّ و قیوم ہے، ہم اس کے پیغام کو لے کر آئے ہیں اور اب ہمیں اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے، آپ اس ملک میں توحید کا تحفہ دے سکتے ہیں، اور یہ تحفہ قبول کرنے کے قابل ہے، میں مسلمانوں سے

کہتا ہوں کہ تم اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کرو کوئی مانے یا نہ مانے مگر تم اس ضرورت کو محسوس کرو۔

ہر چیز اپنے مقام سے ہٹی ہوئی ہے

اس ملک کا سُدھار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بے لوث خدمت صحیح جذبۂ اخوت و مساوات اور انسانی ہمدردی کا جذبہ نہ پیدا ہو' انسان کی زندگی کا اصل مقام اور حقیقی مقصد خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہونا ہے' مگر تم ایک سکہ کے پاؤں تلے اپنا سر رکھنے لگے' تم نے سکہ کو جیب میں جگہ دینے کے بجائے اپنے دلوں میں اور دماغوں میں جگہ دی، گھر گھر جو شوالہ اور مسجد بنی ہوئی ہے' وہ روپئے کا شوالہ اور مسجد ہے' جہاں روپئے کی پرستش ہو رہی ہے' خدا کے نائب اور سچے پرستار بن جاؤ اس زندگی کی چول بیٹھ جائے گی، تم اپنے مقام پر آجاؤ، ہر چیز اپنے مقام پر آجائے گی۔

دنیا کی موجودہ کشمکش یہ نہیں ہے کہ بُرائی دُور ہو بلکہ یہ کہ بُرائی ہماری نگرانی اور انتظام میں ہو

یہ تقریر یکشنبہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو مئو ضلع اعظم گڑھ میں (جو ایک بڑا صنعتی مرکز ہے) ہندو مسلمانوں کے ایک مشترک جلسہ میں کی گئی جس میں مختلف سیاسی پارٹیوں اور عقیدوں کے لوگ شریک تھے۔

ہمت شکن تجربے

اس وقت دنیا کی تقسیمیں بڑی بے رحم ہیں، پہلے قوموں اور سلطنتوں نے ملکوں کو بانٹا تھا، مگر اب سیاسی تحریکوں نے قوموں اور محلوں کو بانٹ دیا ہے، مذہب کی آڑ میں ایسے فتنے نہیں تھے، جتنے آج کی مہذب دنیا اور جمہوری دور میں نظر آرہے ہیں، آج کے سیاسی پلیٹ فارم لوگوں کو جدا کرنے کے لئے یا اپنے گروپ بڑھانے کے لئے مخصوص ہیں، لیکن اب بھی بے غرضی سے پکارا جاتا ہے، تو لوگ اب بھی جواب دینے کو تیار ہیں، ابھی اس کا امکان ہے کہ سیاسی پلیٹ فارم کے علاوہ بھی لوگ جمع ہو جائیں، ہم نے خالص انسانی مسئلوں پر غور کرنے کی دعوت دی، ہمارا دل بہت خوش ہے کہ آپ نے دعوت قبول کی، آپ کا سیاسی تحریکوں سے گھبرانا تعجب نہیں، انسان اپنے تجربوں ہی سے نتیجے نکالتا ہے، آدمی بار بار جن چیزوں کو ہوتے دیکھتا ہے، اس سے قاعدہ بنا لیتا ہے، آج اغراض کے لئے جمع کرنے کی عادت ہے، آپ ہم پر بھروسہ کریں، ہم کسی پارٹی کے ماؤتھ پیس (MOUTH PIECE) یا لاؤڈ اسپیکر نہیں ہیں، ہمارے سامنے خالص انسانیت کا مسئلہ ہے۔

سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے

دوستو! اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے، جو کچھ ہو میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو،

بداخلاقی و بے مروتی، چوربازاری، دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے لیکن اس کی تولیت (TRUSTEESHIP) ہمارے سپرد ہو تو خوب ہے آج سب کے دل کی خواہش یہی ہے، اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد بات وہیں رہی جہاں تھی، بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ جو ہو رہا ہے نہیں ہونا چاہئے بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے، ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہئے، گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے، بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں۔

یورپ اور ایشیا میں آج یہی جذبہ کام کر رہا ہے

دنیا کی بڑی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس اور امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لے کر اٹھے، انھوں نے نفظوں کو آڑ بنا کر یہ مطالبہ کیا کہ نو آبادیات (COLONIES) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے، اور دوسری ہی قوم ہمیشہ کیوں حاوی رہے، انسانیت کے درد سے بے قرار ہو کر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تھا، ان میں کوئی حضرت مسیح کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے، فسق و فجور، فحاشی اور عیاشی اور ظلم و زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز نہ جرمن، نہ روس نہ امریکہ انھیں اچھے برے ظلم و انصاف، حق و باطل سے کچھ بحث نہ تھی، حاشا و کلا انھوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظام زندگی دیں گے، اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ

ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے، اور ملکوں کے ذخیروں اور دولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کرنا چاہتے تھے، یہ سب ایک نظامِ زندگی پر ایمان لائے تھے کہ تمام دنیا کو پامال کرکے انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت کی محفل رچائیں گے اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی قومی شوکت کا محل تیار کریں گے، سب ترسے ہوئے ندیدے دولت کے بھوکے خواہشات کے غلام، شرابخوار، قمار باز، خدا کو بھولے ہوئے فطرتِ صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری، انھیں کے نقشِ قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں، سیاسی پارٹیاں، قومی ادارے، اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں، سب کا جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی اور عزیز و احباب عیش کریں وہ موجودہ حالت کو (ACCEPT) کر لیتے ہیں، ان کو صورت حال سے کوئی اختلاف نہیں، صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے، جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے، وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے، صرف اس کی امامت و قیادت (LEADERSHIP) بدلنا چاہتے ہیں، ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ پر ہم آجائیں، آپ کے یہاں مقامی انتخابات ہوتے ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی ٹاؤن ایریا وغیرہ کے نئے انتخاب میں نئے نئے لوگ آتے ہیں، لیکن کیا کوئی نئی ذہنیت، نیا اصولِ زندگی، نیا جذبۂ خدمت اور نیا جذبۂ اصلاح لے کر آتا ہے، کیا کوئی نیا بورڈ نئی کمیٹی، بداخلاقیوں کی روک تھام کرتی ہے، انسانوں کی بے لاگ خدمت کرتی ہے، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ذہن، ایک ہی اصولِ زندگی، اور ایک ہی جذبہ لے کر آتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔

پیغمبروں کا مطالبہ، زندگی کا نقشہ غلط ہے

اس کے برخلاف پیغمبر کہتے ہیں کہ سرے سے زندگی کا نقشہ غلط ہے اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ، اس میں پھر سے رنگ بھرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شیروانی سلی سلائی لے لی، وہ اس کے جسم پر چست نہیں ہوتی، وہ اس کو ادھر اُدھر سے کترتا ہے، کھینچتا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ بخیے غلط لگ گئے ہیں، جب تک یہ بخیے رہیں گے اس میں جھول ہی جھول رہیں گے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ۔

قوموں کو رشوت دی جارہی ہے

آج ساری دنیا نے انسان کو اپنی خواہشات میں آزاد مان لیا ہے، ان غلط خواہشات کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کے بجائے آج ساری پارٹیاں اسے رشوت دے رہی ہیں، خواہشات کی رشوت، اخلاقی رشوت، اور ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نظامِ حکومت آگیا تو ہم تمہاری خواہشات کو پورا کریں گے اور تم کو عیش و ترقی کا پورا پورا موقع دیں گے، اگر اپنی خواہشات کی تکمیل اور آزادی چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو، آج ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اقتدار پاکر تمہارے تعیّشات میں اضافہ کریں گے تمہارا معیار زندگی اونچا کریں گے، گویا انھوں نے مٹھائیاں دے کر بچوں کی عادت بگاڑ دیں، انھوں نے ان کو مٹھائیوں پر لگا دیا، دنیا کے انسان بچے ہیں، پارٹیاں اور حکومتیں انھیں خواہشات کی ہَوا دے

رہی ہیں، اور ان کی عادتیں بگاڑتی جاری ہیں، انسان کا حال یہ ہے کہ جتنا اسے دیئے جاؤ وہ اور مانگتا جاتا ہے، فلم آتے ہیں تو اس کی ہوس اور بڑھتی ہے، یہ اور زیادہ ہیجان (EXCITEMENT) چاہتا ہے، اور زیادہ عریاں تصویریں مانگتا ہے، یہ دنیا کے منتظم انسانی خواہشات پر لگام نہیں لگاتے بلکہ ان کی ہوس کے مطابق دیتے جاتے ہیں۔

پیغمبروں کا یہ راستہ نہیں، وہ خواہشات میں توازن و اعتدال پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش پورا کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ انسانوں کا چھوڑ پن خطرناک ہے، اس کو چھڑانا چاہیئے، چاہے بچے کا دل بُرا ہو، چاہے وہ کچھ دیر روئے اور مچلے اس کو برداشت کرنا چاہیئے اور صحیح راستہ پر لگانا چاہیئے، یہ غلط فلسفہ ہے کہ خواہشات کو بریک نہ لگایا جائے اور ان کو شہ دی جاتی رہے، اور جب ان کا فساد ظاہر ہو جائے تو پھر حیرت سے دیکھا جائے اور شکایت کی جائے۔

منہ زور اور بے لگام گھوڑوں کی ریس

سیاسی پارٹیوں کا نظام غلط ہے کہ اس زندگی کے نظام کو قبول کر لیا جائے، منہ زور گھوڑا، بے لگام اور غلط رو گھوڑا انسانیت کی کھیتی کو روندتا چلا جا رہا ہے، آج تمام پارٹیاں اس کا سائیس بننا چاہتی ہیں، منہ زور بے لگام گھوڑوں کی ریس ہے، کیا ان کے سامنے انسانی ضمیر کی کوئی قیمت ہے، انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ ہے؟ یورپ اور امریکہ ہمدردی اور مساوات کا نام لیتے ہیں، ان کی ہمدردی کے پیمانے ہم سب کو معلوم ہیں، بیچارے

باہر سے ہمدردی کرنا چاہتے ہیں، اور اندر وہی ہوس کا بھوت ہے، ظلم کے وہاں بڑے عجیب وغریب طریقے ہیں۔

حکومت اور عہدہ کا کون اہل ہے؟

دوستو! ہم کہتے ہیں کہ زندگی کا راستہ منزل سے بہت دور جا پڑا، جب تک خدا کا یقین (BELIEF) نہ پیدا کیا جائے سدھار نہیں ہوسکتا، اس کے بغیر ہم ظالم کو محتاط اور ہمدرد نہیں بنا سکتے ہیں، میں اُلٹ ٹپ آپ کے سامنے نہیں آگیا، میں مطالعہ کے بعد کہہ رہا ہوں کہ جب تک آپ یقین نہ پیدا کریں انسانیت کا اصلی ماڈل (MODEL) تک نہیں پہونچ سکتے، اس کے اندر سے عزت وعہدہ کی محبت، دولت کی محبت نکال دیجئے اور ایثار و قربانی اور دوسروں کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کیجئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ عہدہ اسے ملے گا جو اس کا خواہشمند نہ ہو، وہاں یہ QUALIFICATION تھی، آج اس کے برخلاف بے حیائی سے خود اپنی قصیدہ خوانی کر کے حکومتیں بنائی جاتی ہیں صحابہ کرام اس سے بھاگتے تھے، حضرت عمرؓ معافی چاہتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے مجھے معاف رکھا جائے، انھیں مجبور کیا جاتا تھا کہ آپ دست بردار ہو گئے تو کون انتظام کرے گا، وہ جب تک کرتے تھے، اسے بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھتے تھے، اور جب سبک دوش ہوتے تو بڑا سکون (RELIEF) محسوس کرتے تھے، حضرت خالدؓ کو سپہ سالار اعظم (COMMANDER-IN-CHIEF) بنایا گیا تھا سب طرف ان کی دھاک بیٹھی تھی، عین محاذ پر ایک معمولی سا پرچہ مدینہ سے آتا ہے کہ خالد برطرف کئے جاتے ہیں، اور

ان کی جگہ ابوعبیدہ مقرر کئے جاتے ہیں تو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا، بڑی فراخ دلی سے کہتے ہیں کہ اگر میں اس کام کو عبادت و فرض سمجھ کر کرتا تھا تو اب بھی انجام دوں گا، اور اگر عمرؓ کے لئے کرتا تھا تو کنارہ کش ہو جاؤں گا، پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی ذوق و شوق سے اپنے کام میں مشغول رہے اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

جاہ طلب سیاسی

آج سیاسی پارٹی سے کسی کو الگ کر دیا جاتا ہے تو پہلے نکلنے کا نام نہیں لیتا اڑا رہتا ہے فتنہ مچاتا ہے، اور اگر الگ ہوتا ہے تو دوسری سیاسی پارٹی بنا لیتا ہے، کیونکہ اس لئے کہ عزت کی ہوس، دولت کا شوق اور بڑائی کا خیال دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے بس جب تک موجودہ زندگی کا سانچہ نہیں بدلتا سدھار مشکل ہے، میں آپ کو صاف صاف زندگی کی یہ حقیقتیں بتلا رہا ہوں، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا کیجئے، روحانی اور اخلاقی زندگی پیدا کیجئے، زندگی سے لطف اندوز ہونے (ENJOY) کرنے کا شوق جو زندگی کا آئیڈیل IDEAL بن گیا ہے اسے چھوڑیئے۔

انسانی ضروریات کی فہرست بہت طویل نہیں

انسانی ضروریات کی فہرست بہت لانبی نہیں فضولیات LUXURIES کی فہرست بہت لانبی ہے، سب نے اپنی بنیاد LUXURIES پر رکھی ہے زندگی کے تعیّش کو مقصود بنا لو، معدہ اور نفس کو معبود مان لو، خدا کو نہ مانو، اس کی بالادستی کا انکار کرو، انسان کو ایک ترقی یافتہ

جانور تسلیم کرو، اور اس کی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو پورا کرو، یہ سب اسی کا فساد ہے، جب تک یہ بنیاد باقی ہے ہزار کوششوں کے باوجود سدھارنا ممکن ہے کسی شہر اور ملک کی تو کیا ایک میونسپلٹی کے رقبہ کی بھی اصلاح نہیں ہو گی۔

خراب اجزا اور اکائیوں سے اچھا مجموعہ تیار نہیں ہو سکتا

آج انسانی افراد اور سوسائٹی کے اجزا خراب اور ناقص ہیں، غلط بنیادوں پر ان کا اٹھان ہوا ہے اور غلط طریقہ پر ان کی تربیت اور نشو و نما ہوا ہے نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے انسانی مجموعے خراب و ناقص اور کمزور ہیں، جماعتیں افراد سے بنتی ہیں، جب تک افراد درست اور صالح نہیں ہوں گے جماعتیں اور جماعتی کام کیسے درست ہو سکتے ہیں، افراد کا سوال چھیڑا جائے تو لوگ چڑھتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں، اور اس مسئلہ کو ٹال دینا چاہتے ہیں اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ اجتماعی حالت میں یہ نقص خود بخود دور ہو جائے گا عجیب لطیفہ ہے کہ جب اینٹیں بھٹہ سے نکلیں تو کہنے والے نے کہا کہ یہ پیلا ہے، کھنجر ہے یہ اینٹیں اچھی نہیں، یہ عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گی، آپ نے جواب دیا محل بن جانے دو وہ سب اینٹیں اچھی ہو جائیں گی لیکن خراب اور ناقص اجزا سے ایک اچھا مجموعہ کیسے تیار ہو سکتا ہے، بہت سے خراب ممبروں سے ایک اچھی باڈی (BODY) کیسے بن سکتی ہے خراب تختوں سے ایک اچھا جہاز کیسے بن سکتا ہے، ہم کہتے ہیں یونٹ (UNITS) خراب ہیں، مسالہ (MATERIAL) خراب ہے، اس سے اچھی باڈی کیسے بنے گی، اس سے اچھی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کیسے بنے گا؟ اس سے اچھی

گورنمنٹ کیسے بنے گی؟ آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے MATERIAL تو کوئی نہیں دیکھتا اور نتیجہ کو دیکھ کر کوفت ہے کیا یہ ناسمجھی کی بات نہیں پیغمبر نخنے بناتے ہیں یونٹ (UNITS) بناتے ہیں، اینٹیں بناتے ہیں، ان کی تعمیر پائیدار، صالح اور جاندار ہوتی ہے، وہاں دھوکہ نہیں ہوتا، آج تعلیم گاہوں میں بھی اس حقیقت کو نظرانداز کیا جارہا ہے، یقین اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی جارہی ہے، افراد کی تربیت کا انتظام کہیں نہیں، ہر جگہ سے غیر تربیت یافتہ افراد کے کھیپ کے کھیپ نکل رہے ہیں، آج طالب علم ہر کام کر سکتا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی تربیت نہیں کی گئی، میونسپلٹی میں کون لوگ ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ میں کون لوگ ہیں، حکومت میں کون لوگ ہیں، سارے نظام پر اس طرح کے لوگ حاوی ہیں، انھیں کے ہاتھ میں زندگی کی باگیں ہیں، آج اکثر انسان انسان نہیں، انسان نما ہیں۔

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے، چاہے اس پر کتنا ملمع چڑھا دو، گدھے نے شیر کی کھال پہن لی تھی لیکن جب خطرہ سامنے آیا تو ہیبت سے اپنی بولی بول دی، آج سب جگہ یہی ہو رہا ہے، اندر کی چیز باہر آرہی ہے آپ میں سے بہت سے بھائی انتھک کوشش کر رہے ہیں، آپ میں سے بہت سے مخلص (SINCERE) ہیں، لیکن کیا کبھی آپ نے نیچے سے شدھار کی کوشش کی، لوگ پارٹی کے اقتدار کے پیچھے پڑے ہیں، لیکن کرنے کا کام یہ تھا کہ آدمیت کا احترام پیدا ہو، خدا کا خوف پیدا ہو۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے

خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا، ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے، یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے، آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش، کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش، یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور سب کے ذمہ فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں، اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل، ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی، زندگی کا لطف آئے گا، آج لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے، انسان کی مجبوری پر نہیں۔

ہمارا پیغام

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان ختم ہو رہا ہے، ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے، ہم آپ کے کاموں میں روڑا اٹکانے نہیں آئے، ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجئے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا

کرنے آئے ہیں، کاش یہ چبھن پیدا ہو، یہ پیغمبروں کا کام اور ان کا پیغام ہے، ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے، لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انھیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم اصل سرمایہ کو چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے بھی تاجرانہ ذہنیت اپنالی اور بیوپاری بن گئے، تمہاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھو دیا، تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے اور کامیاب و بامراد جیتے رہتے، اب تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو، دنیا کی فلاح اس میں ہے کہ وہ پیغمبروں کے پیغام کی قدر کرے، سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں قیادت کی جنگ اور غلبہ و اقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشہ کو بنانے کی کوشش کریں اور اپنے اور اپنے متعلقین اور دوستوں کے بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں کہ اس کے سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ اخلاقی قدریں دل کے اندر کھوئی ہیں ان کی باہر تلاش ہے

یہ تقریر ۲۷ جنوری ۱۹۵۴ء کو شب میں گورکھپور کے ٹاؤن ہال میں کی گئی، حاضرین میں شہر کے تعلیم یافتہ ہندو مسلمان حضرات تھے۔

ایک کہانی

دوستو! بچپن میں ایک کہانی سنی تھی، ایک صاحب سڑک پر کچھ تلاش کر رہے تھے، لوگوں نے پوچھا صاحب آپ کیا تلاش کر رہے ہیں، انھوں نے کہا جیب سے اشرفی گر گئی تھی اسے تلاش کر رہا ہوں، کچھ بھلے مانس بھی ان کے ساتھ تلاش میں لگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پوچھا، حضرت وہ اشرفی کہاں گری تھی، کہنے لگے گری تو گھر کے اندر تھی، مگر مشکل یہ ہے کہ گھر میں روشنی نہیں ہے، سڑک پر روشنی ہے، اس لئے یہاں تلاش کر رہا ہوں۔

انسان کی سہولت پسندی

بظاہر تو یہ ایک افسانہ یا لطیفہ معلوم ہوتا ہے، مگر واقعات کی دنیا میں دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ جو چیز گھر میں کھوئی ہے اس کی آج باہر تلاش ہے، بڑے بڑے میدانوں میں آج یہی ہو رہا ہے کہ گھر کی چیز باہر تلاش کی جا رہی ہے، کوئی چیز کھوئی تو گئی ہے اپنے اندر مگر تلاش اس کی باہر ہے، کیونکہ باہر روشنی ہے آج بہت سی ایسی چیزوں کی کمیٹیوں اور جلسوں میں تلاش ہے سکون، امن، اطمینان اندر کی چیزیں ہیں لیکن ان کی تلاش باہر ہے، انسانیت کی قسمت اندر سے بگڑی ہے لیکن باہر اس کو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس امن و سکون اور اطمینانِ قلب کی ہمیں اور آپ کو ضرورت ہے،

حسن محبت کی فضا، ہمدردی کی فضا، اخلاق کی فضا کی ہمیں اور آپ کو ضرورت ہے، زندگی کا جو جوہر اور زندگی کا قیمتی سرمایہ آج مفقود ہے، وہ سب دل کی دنیا میں کھویا ہے، لیکن وہاں اندھیرا ہے، وہاں ہماری گزر نہیں، اس لئے ہم اس کو باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں، ہم نے بڑا ظلم کیا کہ پہلے ہم نے دلوں میں جانے کا راستہ کھویا، اب اس کی چیزوں کو باہر تلاش کر رہے ہیں، آج دنیا کے اسٹیج پر یہی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، دل کی دنیا میں اندھیرا ہے، وہاں برسوں سے گھٹا ٹوپ اندھیاری ہے، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، انسانی فطرت سہولت پسند ہے، اس نے کبھی یہ زحمت برداشت نہیں کی کہ دل کے اندر ڈوب کر کھوئی ہوئی قیمتی چیز کو تلاش کرے، اس نے اسی کو آسان سمجھا کہ باہر روشنی میں اپنے گم شدہ مال کو تلاش کرے، آج قومیں حیران ہیں، بڑے بڑے حکیم و دانا سرگرداں ہیں، لیکن اس کا سرا نہیں ملتا کہ ہمارا مال کھویا کہاں ہے، لوگوں نے جب دیکھا کہ دل کا دروازہ نہیں ملتا اور اس پر بس نہیں چلتا، اس کو روشن اور گرم کرنے کا کچھ سامان ہمارے پاس نہیں تو انھوں نے دماغ کی طرف توجہ کی اور انسانوں نے معلومات بڑھانا شروع کر دیئے، جو بات آسان تھی وہ کرنے لگے، دماغ تک پہنچنا آسان تھا، انھوں نے دل کو چھوڑ کر دماغ کا راستہ اختیار کر لیا۔

آج ہر ایک اسی قافلے کا شریک ہے، جو آ رہا ہے وہیں جا رہا ہے، دل کے اندر پہنچنے کی کوشش نہیں، دنیا کی چول جب تک اپنی جگہ پر نہ آئے سدھار ناممکن ہے، گھر میں اندھیرا ہے تو روشنی باہر سے لانا پڑے گی، اور گھر میں کھوئی ہوئی پونجی اور من کی لٹی ہوئی دولت کو وہیں تلاش کرنا پڑے گا، اگر ایسا نہ کیا تو زندگی ختم ہو جائے گی اور اس کا سراغ نہیں ملے گا۔

حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جاسکتی

آج ضرورت تھی کہ ان حقیقتوں کو ابھارا جاتا، انسانوں کو زندگی کا مقصد بنایا جاتا، تعلقات درست ہوتے، انسان حیوانی سطح سے بلند ہوتے، ایک دوسرے سے محبت ہوتی، ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ ہوتا، ایک دوسرے کو بھائی کی نظر سے دیکھا جاتا، رقابت کی نظریں بند ہوتیں، اعتماد اور محبت کی نظریں پیدا ہوتیں، حقیقتیں گم ہوگئیں، سب سے بڑی حقیقت، حقیقتوں کی جان یہ تھی کہ کسی نے اس دنیا کے کارخانے کو بنایا ہے، وہ اسی کی مرضی اور ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک چل سکتا ہے اگر اس سے لڑنے کی کوشش کی جائے گی، اور اس کی ہدایات (DIRECTION) کے مطابق کام نہیں ہوگا، تو کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا، گھڑی کی مثال لیجئے جو اس کا ماہر خصوصی (SPECIALIST) ہے، اس کی ساخت سے واقف ہے، وہی اس کی کل درست کرسکتا ہے کوئی شخص خواہ کتنا بڑا عالم وفاضل ذہین اور فلسفی ہو، لیکن گھڑی اس کی ذہانت اور علم سے درست نہیں ہوسکتی، وہ تو ماہر فن کے چلانے سے چلے گی، یہ دنیا جس نے بنائی ہے، اسی کی ہدایت سے ٹھیک ٹھیک چلے گی، حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جاسکتی، ان کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

انسان دنیا کا ٹرسٹی ہے

میں اس وقت آپ سے کچھ بے لاگ باتیں کہنا چاہتا ہوں، لعنت ہے ایسی زندگی پر

جس میں کبھی سچی بات نہ کہی جاسکے آج ہر آدمی فائدہ دیکھتا ہے، اور فائدے کے پیش نظر سچ یا جھوٹ بولنے میں ذرا پس وپیش نہیں کرتا، دنیا میں ایسے آدمیوں سے سدھارنا ممکن ہے، جو دو چار ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں، انھیں سے دنیا قائم ہے، جو ہمیشہ سچی بات کہتے ہیں، چاہے جان جائے۔

آج دنیا کے رخ پر جو نکھار اور تابانی ہے، یہ ان حق گو پیغمبروں، اللہ کے بھیجے ہوئے انسانوں کے خونِ جگر کا نتیجہ ہے جنھوں نے انسانیت کی فلاح اور قیام کے لئے اپنی زندگیاں نثار کردیں، اور اس طرح سے اس مقدس ورثہ اور گراں قدر متاع کے ہم وارث ہوئے انسانیت کی نجات کا راستہ وہی درخشاں راستہ ہے جسے ان لوگوں نے دکھایا، آج بھی جب تک ہم یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہمارے لئے ہے اور ہم خدا کے لئے ہیں، ہم اس کے متولّی (TRUSTEE) اور امین ہیں، اور خدا کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں، انسانیت کی مشکلیں حل نہیں ہوسکتیں، یہ نہایت راستہ مشکل اور کانٹوں بھرا، لیکن یہی انسانیت کا راستہ تھا، یہ ایک ذمہ داری کی بات تھی، لوگوں نے اس سے گریز کیا اور کلچر اور تہذیب کا نام لینا شروع کردیا۔

انسانیت کا مسئلہ پرانی تہذیبوں سے حل نہیں ہوسکتا

دنیا کی تمام تہذیبیں قابلِ احترام ہیں، خصوصاً اپنے ملک ہندوستان کی تہذیب ہمیں عزیز ہے یہ ہماری میراث ہے، اور ہم اس کی قدر کرتے ہیں، لیکن انسانیت کا صحیح ارتقاء پرانی تہذیبوں سے نہیں ہوسکتا، ان چیزوں میں اب جان نہیں رہی، ان کی صلاحیت اب ختم ہوگئی،

یہ اپنا مشن (MISSION) پورا کر چکیں یہ اپنا پارٹ ادا کر چکیں، ان کے بہت سے پہلو اب بھی بہت اچھے ہیں، لیکن آج انسانیت کے عروج کے لئے اور عام اخلاقی گراوٹ کو روکنے کے لئے ان میں کوئی جان نہیں، ان کے پاس کوئی پیغام نہیں جس طرح ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ نصب (ADJUST) نہیں کی جا سکتی، دو ہزار برس کی چیز آج کے ماحول میں کام نہیں دے سکتی، عربوں کی پرانی تہذیب رومیوں اور یونانیوں کی تہذیب اپنے اپنے وقت کی زندہ اور ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں لیکن اب وہ اپنا نمو اور شادابی کھو چکیں، اب ان کی جگہ صرف آثار قدیمہ میں ہے۔

تہذیبیں انسانیت کا لباس ہیں انسانیت لباس تبدیل کرتی رہی ہے

انسانیت تہذیبوں سے بالاتر ہے، یہ سب تہذیبیں مل کر بھی آدمیت کو جنم نہیں دیتیں، آدمیت تہذیبوں کو جنم دیتی ہے، آدمیت کسی زمانے اور کسی مقام سے مخصوص نہیں، تہذیبیں اس کا لباس ہیں، اور اپنا لباس بدلتی رہتی ہے، اور اپنے سن اور اپنے ذوق کے مطابق اپنے کو آراستہ کرتی رہتی ہے، اور یہ بالکل قدرتی اور ضروری ہے، جو بچہ ہے وہ بچوں کا لباس پہنے گا، جو جوان ہے، وہ جوانوں کا چولا بدلے گا، بچوں کا جوان کو نہیں پہنایا جا سکتا، انسانیت کو کسی خاص دَور یا کسی خاص ملک کے کلچر کا پابند نہ کیجئے، انسانیت کو بڑھنے دیجئے، انسانیت آبِ حیات کا چشمہ ہے، اسے اُبلنے دیجئے یہ صحرا، ریگستان اور میدانوں میں دوڑنا چاہتا ہے، اسے بڑھنے اور پھیلنے دیجئے، مذہب کے عالمگیر اور زندہ اصولوں اور اپنی ذہانت

اور ذوق سے انسانیت کا ایک نیا نمونہ اور ایک نیا پیکر پیدا کیجیے، انسانیت کا اخلاق کا ایک نیا گلدستہ بنایئے، وہ تازہ اور شاداب گلدستہ ہوگا، جو پھول سوکھ گئے، مرجھا گئے ان کو گلے کا ہار بنانے پر اصرار نہ کیجیے۔

مذہب روح دیتا ہے کلچر ایک ڈھانچہ

مذہب اور تہذیب کا راستہ الگ ہے، مذہب روح دیتا ہے، اور کلچر ایک ڈھانچہ (MODEL) مذہب طریقۂ حیات اور زندگی کا ایک ضابطہ دیتا ہے، کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے، پھر آزاد چھوڑ دیتا ہے، مثال کے طور پر تہذیب کہتی ہے کہ سینٹھے کا قلم مقدس ہے اور مذہب کو اس سے بحث نہیں کہ لوہے کے قلم سے لکھا جائے یا فونٹن پن سے، اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ صحیح ہو اور اچھا، مذہب مقصد حیات عطا کرتا ہے، اور زندگی کو روح دیتا ہے، وہ انسانی زندگی پر کنٹرول قائم رکھتا ہے، مگر اس سے حرکت اور نشو ونما کی صلاحیت نہیں چھینتا، کلچر کا احیاء انسان کی نجات نہیں، چاہے یہ کام ہندو کرے یا مسلمان یا عیسائی۔

رسم الخط یا ضمیر واخلاق

آج اس پر بڑا معرکہ برپا ہے کہ ملک کی زبان کیا ہونی چاہیے، کس رسم الخط میں لکھنا چاہیے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے درد کا مداوا اسی میں ہے، ملک کا سدھار

اسی پر موقوف ہے، دوستو! پیغمبروں کے سوچنے کا یہ طریقہ نہیں، ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تحریر کہاں سے شروع کی جائے اور کہاں ختم کی جائے، دائیں سے شروع ہو کر بائیں طرف یا بائیں سے شروع ہو کر دائیں طرف، ان کو تو اس سے دلچسپی ہے کہ لکھنے والا سچا، خدا سے ڈرنے والا امانت دار اور فرض شناس ہو، پھر وہ کسی طرح لکھے، وہ اچھا ہو گا، میں نے بنارس میں کہا تھا کہ اگر دستاویز جھوٹی ہے تو کیا دائیں سے شروع کرنے اور اردو یا فارسی میں لکھنے سے یا بائیں سے شروع کرنے اور ہندی یا انگریزی میں لکھنے سے وہ سچی ہو جائے گی؟ جھوٹی اور جعلی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ جھوٹی اور جعلی اور پاپی رہے گی، سچی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ سچی رہے گی، پیغمبر رسم الخط کے پیچھے نہیں پڑتے، وہ اس ہاتھ کو درست کرنا چاہتے ہیں، جو قلم سے کام لیتا ہے، بلکہ وہ اس دل کو درست کرنا چاہتے ہیں، جو ہاتھ کو حکم دیتا ہے۔

پیغمبر وسائل نہیں پیدا کرتے مقاصد عطا کرتے ہیں

پیغمبروں کا کام یہ نہیں کہ اپنے اپنے زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کریں اور آلات اور مشینیں تیار کریں، وہ اس طرح کے انسان پیدا کرتے ہیں، جو ان مصنوعات اور وسائل کو صحیح مقصد کے لئے صحیح طریقے پر استعمال کر سکیں، یورپ وسائل پیدا کرتا ہے، پیغمبر مقاصد عطا کرتے ہیں، انھوں نے مشینیں نہیں ڈھالیں آدمی ڈھالے تھے، یورپ نے مشینیں بنائیں مگر انھیں استعمال کون کرے؟ درندہ صفت انسان؟ آج ساری مصیبت یہ ہے کہ

وسائل بہت ہیں، ایجادات بہت ہیں، سامان بہت ہے، مگر صحیح طریقے پر استعمال کرنے والا آدمی نایاب ہے۔

انسانیت کو غمخوار انسانوں کی ضرورت ہے

انسانیت کو آج ایمان و یقین، سچائی اور پاکیزگی محبت و مروت اور ہمدردی و غمخواری کی ضرورت ہے، اس کا مداوا تہذیب نہیں، تحریر نہیں، اس کو ضرورت ہے، غمخوار انسانوں کی، دردمند انسانوں کی، جو دوسروں کے لئے گھلیں اور اپنے کو مٹا کر دوسروں کو بنائیں، تحریروں اور تہذیبوں سے انسانیت نہیں پیدا ہوتی، یورپ نے ہم سے اخلاق اور روحانی اقدار (VALUES) چھین لئے، اس معاملہ میں وہ خود خالی ہاتھ تھا، اس نے ہمیں بھی دیوالیہ بنا دیا، اس نے ہماری جھولیوں کو اخباروں سے بھر دیا، معلومات سے بھر دیا، مصنوعات سے بھر دیا، اس نے ہماری راتوں کو چراغوں سے جڑ دیا، بجلی کے قمقموں سے جگمگا دیا، ہمیں دل کی روشنی کی ضرورت تھی، اس نے دل کا چراغ گل کر دیا، مبارک تھا وہ زمانہ جب دل کی روشنی تھی، بجلی کی روشنی نہیں تھی، آپ خود سوچیں آپ سے کوئی سودا کرنا چاہے تو آپ کو کون سا زمانہ پسند ہے؟ انسانیت کا، ہمدردی کا، غمخواری کا زمانہ جس میں آدمیت کی قدر اور فکر تھی، یا وہ زمانہ جس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں، مگر اس میں پریس ہیں، بجلی کی روشنی ہے، اور برقی پنکھے ہیں، آج سکون قلب میسر نہیں، لیکن پیسہ کی افراط ہے، آج سب کچھ ہے،

لیکن روحانی قدریں عنقا ہیں، آج سب کچھ ہے، لیکن مقصد نہیں جس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہوں، پیاس سے تڑپ رہا ہو، اسے چلو بھر پانی چاہیئے اس کے لئے سب کچھ کچھ نہیں، اس کے لئے اشرفیاں موجود ہوں تو کیا؟ پس تمدن میں محبت کا ذرہ نہیں، ایثار و ہمدردی کا نام نہیں، جسے دیکھو غرض کا بندہ، اس تمدن کو لے کر کیا کریں۔

ہم نے دل کا راستہ کھو دیا

ساری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ صحیح دروازے سے آنے کی کوشش نہیں کی جاتی، چور دروازے سے داخل ہوتے ہیں، دل کا پھاٹک بند ہے، اور اندر جانے کا راستہ وہی تھا، دل کا راستہ ہم کھو چکے، ہم خود غرضیوں کے ساتھ وہاں نہیں پہنچ سکتے، دنیا کا بگاڑ، بیجا غرور اور خواہشات کا اقتدار اور ان سب کا دہانہ دل ہے، اس دل میں جب ایک خدا کا اقتدار نہیں، اسے اس کی بالادستی تسلیم نہیں، یہ اپنے کو اس کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، تو پھر اس کی شکایت کیا، کسی کو پھر کیا غرض ہے کہ وہ کسی کی مدد کرے، اور دوسرے کے لئے اپنے کو خطرے میں ڈالے، آج کی دنیا میں بھائی بھائی کو تاجرانہ ذہن سے دیکھتا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو گاہک اور فریق سمجھ لیا ہے، سب طرف لوٹ کھسوٹ (EXPLOITATION) کا بازار گرم ہے، فطرتِ انسانی مسخ ہو گئی ہے، باپ بیٹوں سے نالاں ہیں، استاد شاگردوں سے ناخوش ہے۔

نظامِ تعلیم کا نقص

آج یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ شاگرد ادب نہیں کرتے اور استاد شفقت و ہمدردی نہیں برتتے، تمام لوگ اس سے پریشان ہیں، اور اس کی اصلاح کی طرح طرح کی کوششیں ہوتی ہیں، لیکن اس کی جڑ اور بنیاد پر غور نہیں کیا جاتا کہ تعلیمی نظام جس کا سارا ڈھانچہ مادہ پرستی پر ہے، آخر اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، تعلیم کا کون سا اسٹیج ہے، جہاں اخلاق اور کردار کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے؟ یہ تمام برائیاں تو متوقع نتائج ہیں اس نظامِ تعلیم کے، تمہارا ادب، تمہارا آرٹ، نفسانی خواہشات کو بیدار کرتا ہے، اور انسان کو موقع پرست (OPPORTUNIST) بناتا ہے، اور پھر تمہارا ماحول ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے، کہ خواہشات اور خود غرضیوں کی تسکین ہو سکے، وہ تمہیں دولت مند، ساہوکار بننے کا جذبہ دیتا ہے، اس وقت ضرورت ضمیر اور ذہن بدلنے کی ہے، ان کے بدلے بغیر کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

ذہنیت کی تبدیلی کی ضرورت

آج ہمارے ملک میں کئی اصلاحی اور سماجی تحریکیں چل رہی ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں، اور ہمارا بس چلے تو ہم ان کی مدد کریں، خصوصاً بھودان تحریک، لیکن زمین لینے سے پہلے دلوں میں یہ بات پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ کوئی زیادہ زمین ہی نہ رکھ سکے

لوگ خود بخود زمین دینے کو تیار ہو جائیں، ایسی ذہنیت بن جائے کہ لوگ ضرورت مندوں کو اپنی چیزیں دے کر خوشی محسوس کریں۔

ہم نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں پشتینی رقابت تھی، ان کے کلچر اور (SOCIAL LIFE) میں اختلاف تھا، لیکن جب مکہ سے لوگ مدینہ آنے پر مجبور ہوئے، اور انھیں اپنا سارا اثاثہ اور مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ آنا پڑا، تو جن کے پاس کچھ نہ تھا، وہ مدینہ کے مالدار کھاتے پیتے لوگوں کے بھائی بنا دیئے گئے، انھوں نے اپنے ان نئے بھائیوں کو سینے سے لگایا اور جن سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، ان کے سامنے اپنے گھر کی آدھی دولت لاکر رکھ دی، ادھر ان آنے والوں کے دل ایسے بنائے گئے تھے، اور ان کی ایسی تربیت کی گئی تھی کہ انھوں نے ان کو دعا دی اور ان کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمیں آپ کچھ تھوڑا سا قرض دیدیجئے اور بازار کا راستہ بتلا دیجئے، ہم مکہ میں بھی تجارت کرتے تھے، یہاں بھی تجارت کریں گے پیغمبر اسلام نے مدینہ والوں میں ایثار و ہمدردی اور قربانی کا جذبہ بیدار کیا اور مکہ والوں میں خود اعتمادی اور خودداری کا، انھوں نے گھر کی دولت آنے والوں کے قدموں پر ڈال دی اور آنے والوں نے دولت پر نگاہ نہ کی اور اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنی محنت سے کمانے کا فیصلہ کیا۔

ہمارا سر نیچا ہو جاتا ہے جب آج کی ہجرت پر نظر ڈالتے ہیں، نہ ایک طرف ایثار و ہمدردی ہے، نہ دوسری طرف خود اعتمادی اور خودداری۔

ہم کہتے ہیں کہ ذہنیت بدلئے، محبت پیدا کیجئے، ایسے دل پیدا کیجئے جو دوسروں کے غم میں گھلنے کی آرزو کریں، زمین کی تقسیم سے پہلے انسان کے اندر یہ آگ پیدا کرنی تھی کہ اس سے کسی کی مصیبت دیکھی نہ جائے، کمیونزم انتظام اور اسٹیٹ سے کام لیتا ہے، مذہب دل کی کیفیت ایسی بناتا ہے کہ اشرفیاں سانپ بچھو معلوم ہونے لگیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے، وہ نماز جس کے لئے آپ کہتے ہیں کہ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"جس کے لئے آپ بے چین رہتے تھے، اور بلال مؤذن سے کہتے تھے کہ "اذان دے کر میری تسکین کا سامان کرو" اسی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن اچانک گھر میں واپس جاتے ہیں، پھر واپس آکر نماز ادا کرتے ہیں، پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا ضروری کام یاد آیا کہ نماز چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے، فرمایا کہ تھوڑا سا سونا رکھا تھا میں اسے غریبوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت کر آیا۔

کوئی زبان غیر نہیں

میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ ہمت بلند کرو، تمہارا کسی زبان سے بیر نہیں نہیں کسی زبان سے وحشت نہیں ہونی چاہئے، تم نے فارسی کو اپنایا، تم ہندی کو کیوں نہ اپناؤ، ایسی سُندر زبان جو ہمارے ملک کی زبان ہے لیکن میں اپنے ہندو بھائیوں سے کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ انسانیت کا سدھار نہ اس زبان میں ہے نہ اُس زبان میں، نہ اس کلچر میں ہے، نہ اُس کلچر میں، نہ اِس تہذیب میں نہ اُس تہذیب میں، آپ انسان میں قربانی کا جذبہ، نیکی کا جذبہ پیدا کیجئے

اسے انسان بنائیے، انسانیت کا احترام سکھائیے، آج انسانیت کا ضمیر CONSCIENCE بگڑ چکا ہے، وہ اپنی قوم اور اپنے ملک ہی کو دیکھنے کا عادی بن چکا ہے سفید فام کہتے ہیں کہ بحر اوقیانوس (ATLANTIC OCEAN) سے اس طرف انسان ہی نہیں، ہر ملک کے باشندے اپنے سوا کسی کو انسان نہیں سمجھتے، ہر طرف جتھہ بندی ہے، اور خود غرضی، روس کے کمیونسٹوں کے سامنے ایک طبقہ کا مفاد ہے، امریکہ کے سرمایہ داروں (CAPITALIST) کے سامنے دوسرے طبقے کا مفاد، ایک کو سرمایہ دار نظر نہیں آتا، ایک کو کاشتکار، ایک کے نزدیک دنیا میں مزدور ہی مزدور ہیں، دوسرے کے نزدیک کاشتکار ہی کاشتکار، تیسرے کے نزدیک سرمایہ دار ہی سرمایہ دار، یہ قوم پرستی، یہ تنگ نظری بڑی خطرناک چیز ہے۔

خدا پرستی کی تحریک کی ضرورت

آج خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تحریک کی ضرورت ہے آج اس کے لئے ایک زبردست مہم (CAMPAIGN) کی ضرورت ہے، ایک زلزلے کی ضرورت ہے، خدا پرستی کی آندھی کی ضرورت ہے، جو بڑی بڑی خود غرضیوں کے پہاڑوں کو ہلا دے، خواہشات کے ٹیلوں کو اڑا دے، شہر شہر، گاؤں گاؤں یہ کہتا ہے کہ حیوانی زندگی باقی رکھنے کے لائق نہیں، مادہ پرستی کا درخت کھوکھلا ہو چکا ہے، نفس پرستی کا درخت جو دنیا پر چھایا ہوا ہے جڑیں چھوڑ چکا ہے، انسانو! اپنی قدر پہچانو، زندہ حقیقتوں سے اپنی قسمت باندھو،

اللہ کی زبردست طاقت سے جڑ جاؤ۔

علم واخلاق کے تعاون کی ضرورت

ہم کو وہ سنّیاسیت اور جوگ مطلوب نہیں، جو دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دے اور اپنی جگہ غاروں اور پہاڑوں پر تلاش کرے، ہم اس روحانیت کی دعوت دیتے ہیں، جو زندگی کے ساتھ چلتی ہے، بلکہ زندگی کی رہنمائی کرتی ہے، ہم رجعت پسند نہیں، ہم (REACTION) کا قائل نہیں انسانیت کے لئے یہ ضروری ہے، اور انسانیت کا تقاضا اور اس کی مانگ ہے کہ اخلاق، علم وسائنس اور خدا پرستی مل جل کر چلیں، آج اس کا توازن بگڑ گیا، ان میں تعاون اور اعتماد (COOPERATION) نہیں رہا، سائنس ایک طرف جارہی ہے تو اخلاق ایک طرف، دونوں انتہا پسند (EXTREMIST) ہیں۔

مادّہ پرستی اور روحانیت

یہی حال مادہ پرستی اور روحانیت کا ہے، ایک دنیا کو نگل لینا چاہتا ہے، اسے پوجتا ہے، ایک اس سے نفرت کرتا ہے، اور اس سے بیزار ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے خدا کا عطیہ سمجھ کر، اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کے قانون کے مطابق استعمال کرو، اسے اپنا غلام سمجھو، خود اس کے غلام نہ بن جاؤ، نہ اس زندگی کی پرستش کرو، نہ اس سے نفرت کرو، خدا کے سامنے اپنے کو جوابدہ سمجھو اور اس کی عدالت کے سامنے حاضر

ہونے کا اور جزا و سزا کا یقین کرو، اس کے بھیجے ہوئے بے غرض اور مخلص پیغمبروں پر اعتماد کرو اور انھیں سے اس زندگی کے اصول اور ضوابط حاصل کرو، اپنے کو خدا کا بناؤ، یہ دنیا تمہاری بن جائے گی۔